ABC CERTIFIED
آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت
DAILY
HARB-E-BAQA
QUETTA
روزنامہ حرب بقاء کوئٹہ
چیف ایڈیٹر
عارف رانا
Email.harbebaqa@gmail.com
جلد نمبر 12 | بروز سوموار 30 اگست 2026ء 1448 ہجری | قیمت 05 روپے | شمارہ نمبر 120

ترک بحریہ اور صومالی فورسز کی مشترکہ کارروائی، 14 قزاق ہلاک، بحری جہاز بازیاب

کئی دنوں تک جاری رہنے والے ایک آپریشن کے بعد صومالی پانیوں میں اغوا ہونے والے ایک بحری جہاز کو بازیاب کرا لیا ہے

کیمرون کے جھنڈے تلے آپریٹ کرنے والا یہ جہاز جولائی کے اواخر میں ترکیے سے تنزانیہ کی بندرگاہ دارالسلام کے لیے روانہ ہوا تھا

موغادیشو (جی این ایم) ترک بحریہ نے صومالی فورسز کے ساتھ کارروائی کرتے ہوئے صومالی قزاقوں کے قبضے سے بحری جہاز بازیاب کروالیا۔ غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق صومالی حکومت نے بتایا کہ ترک بحریہ نے صومالی مسلح افواج کے ساتھ مل کر کئی دنوں تک جاری رہنے والے ایک آپریشن کے بعد صومالی پانیوں میں اغوا ہونے والے ایک بحری جہاز کو بازیاب کرا لیا ہے، اس جھڑپ کے دوران 14 قزاق ہلاک

بقیہ 1 صفحہ 3 پر

وزیر صحت بلوچستان کی زیر صدارت اجلاس، ہسپتالوں اور حاضری کا تفصیلی جائزہ

سرکاری ہسپتالوں میں طبی عملے کی بروقت موجودگی، موثر نگرانی اور عوام کو بلاتعطل طبی سہولیات کی فراہمی حکومتِ بلوچستان کی اولین ترجیح ہے

فرائض سے غفلت، غیر حاضری اور ڈیجیٹل حاضری کے نظام سے دانستہ اجتناب کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا

کوئٹہ (اے این این) وزیر صحت بلوچستان بخت محمد کاکڑ کی زیر صدارت کوئٹہ ڈسٹرکٹ کے تمام سرکاری ہسپتالوں اور ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفس کے انسانی وسائل کی AiFRAMS کے ذریعے ریکارڈ کی جانے والی حاضری کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اجلاس میں ایڈیشنل سیکرٹری صحت شبیہ بلوچ، ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ سروسز بلوچستان ڈاکٹر امین مندوخیل، کوئٹہ کے تمام ہسپتالوں کے میڈیکل

بقیہ 2 صفحہ 3 پر

گورنر خیبر پختونخوا فیصل کریم کنڈی سے پاکستان پیپلز پارٹی بلوچستان کے سابق صوبائی سیکرٹری اطلاعات سردار سربلند خان جوگیزئی ملاقات کر رہے ہیں

سعودی عرب کی پاکستانی چاول اور گوشت کی درآمد بڑھانے میں دلچسپی

سعودی عرب نے پاکستان سے چاول کی درآمد مزید بڑھانے میں دلچسپی ظاہر کی ہے، پاکستان نے 2025 میں سعودی عرب کو تقریباً 169 ہزار ٹن چاول برآمد کیے

نجی شعبوں کے درمیان کاروباری روابط اور میچ میکنگ آسان بنانے، زرعی مصنوعات کی معیار کی سرٹیفکیشن کی باہمی منظوری کے لیے اقدامات کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی

اسلام آباد (ویب نیوز) وزیراعظم شہباز شریف کی ذاتی دلچسپی سے پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان زرعی وغذائی تحفظ کے شعبے میں اہم پیش رفت سامنے آئی ہے۔ پاکستان اور سعودی عرب نے زرعی و غذائی مصنوعات کی تجارت اور

بقیہ 3 صفحہ 3 پر

وزیراعظم کی ترک صدر، حکومت اور عوام کو یومِ فتح کی مبارکباد

پاکستان ترکیہ کے ساتھ تمام شعبوں میں اپنی سٹریٹجک شراکت داری کو مزید مضبوط اور گہرا کرنے کے عزم پر ثابت قدم ہے، شہباز شریف

اسلام آباد (پی پی آئی) وزیراعظم محمد شہباز شریف نے ترکیہ کے صدر رجب طیب اردوان اور ترکیہ کی حکومت اور عوام کو یوم فتح کی مبارکباد دیتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان دونوں ممالک کی مشترکہ خوشحالی اور سلامتی کے لیے ترکیہ کے ساتھ تمام شعبوں میں اپنی سٹرٹیجک شراکت داری کو مزید مضبوط اور گہرا کرنے کے عزم پر ثابت قدم ہے

بقیہ 4 صفحہ 3 پر

دکی: آئی ای ڈی دھماکے میں 3 بھائی جاں بحق، ایک شخص زخمی

جاں بحق تینوں افراد بھائی ہیں، جن کی شناخت جاں بحق افراد کی شناخت رحمت اللہ، دورانی اور نعمت اللہ پسران سلطان کے نام سے ہوئی ہے

پولیس کے مطابق جاں بحق اور زخمی افراد کو فوری طور پر اسپتال منتقل کر دیا گیا ہے، جبکہ واقعے کے بعد علاقے میں سرچ آپریشن شروع کر دیا گیا ہے

کوئٹہ (اے این این) بلوچستان کے ضلع دکی کی تحصیل لونی کے علاقے کلی بختیار خان میں آئی ای ڈی دھماکے کے نتیجے میں تین افراد جاں بحق جبکہ ایک شخص زخمی ہوگیا۔ پولیس کے مطابق دکی کی تحصیل لونی میں کلی بختیار خان کے علاقے میں دیسی ساختہ دھماکا خیز مواد پھٹنے کے نتیجے میں تین افراد جاں بحق جبکہ ایک شخص شدید زخمی ہوگیا۔ جاں بحق تینوں افراد بھائی ہیں، جن کی شناخت جاں بحق

بقیہ 5 صفحہ 3 پر

صدر زرداری کی یومِ فتح کے موقع پر ترک ہم منصب اور عوام کو مبارکباد

پاکستان اور ترکیہ کے درمیان تاریخ، ایمان اور باہمی تعاون کے گہرے رشتوں پر مبنی منفرد اور پائیدار تعلقات قائم ہیں، صدر

اسلام آباد (پی پی آئی) صدر مملکت آصف علی زرداری نے یوم فتح کے موقع پر ترک ہم منصب رجب طیب اردوان اور ترک عوام کو مبارکباد دیتے ہوئے اس امر پر اعتماد کا اظہار کیا ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان قریبی اور برادرانہ تعلقات مزید فروغ پاتے رہیں گے۔ اتوار کو ایکس پر اپنے پیغام میں صدر مملکت نے کہا کہ پاکستان اور ترکیہ کے درمیان تاریخ، ایمان اور باہمی تعاون کے گہرے رشتوں پر مبنی منفرد اور پائیدار تعلقات قائم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ 30 اگست 1922 کی عظیم فتح ترکیہ کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے اور اس

بقیہ 6 صفحہ 3 پر

صدر زرداری کی بلاول بھٹو کا رشتہ لیکر یورپی ملک لیختن شٹائن پہنچنے کی خبریں

مرتضیٰ وہاب کی بلاول بھٹو زرداری کی منگنی یا شادی سے متعلق خبروں کی تردید کردی

اسلام آباد / کراچی (پی پی آئی) صدر مملکت آصف زرداری کی جانب سے اپنے بیٹے بلاول بھٹو زرداری کا رشتہ کرنے یورپی ملک لیختن شٹائن پہنچنے کی خبریں سامنے آئی ہیں تاہم پیپلز پارٹی کے رہنما مرتضیٰ وہاب کی بلاول بھٹو زرداری کی منگنی یا شادی سے متعلق خبروں کی تردید کردی۔ میڈیا رپورٹ کے مطابق صدر آصف علی زرداری اپنے بیٹے بلاول

بقیہ 8 صفحہ 3 پر

امریکی ناکہ بندی سے ایران کی رجائی بندرگاہ پر نقل و حرکت ختم ہوگئی

واشنگٹن (پی پی آئی) تازہ ترین تصاویر میں جنوب مشرقی ایران کے شہر بندر عباس میں واقع رجائی بندرگاہ کے میدان سامان کی لوڈنگ اور ان لوڈنگ کی معمول کی کسی بھی سرگرمی یا نقل و حرکت

بقیہ 7 صفحہ 3 پر

پاکستان، سعودی عرب اور ترکیے کے مشترکہ دفاعی معاہدے کی کمیٹی کا پہلا اجلاس (آج) استنبول میں ہوگا

استنبول میں ہونے والے اس اہم اجلاس میں تینوں ممالک کے وزرائے خارجہ، وزرائے دفاع اور مسلح افواج کے چیفس آف اسٹاف شرکت کریں گے

استنبول (پی پی آئی) پاکستان، ترکیے اور سعودی عرب کے مشترکہ دفاعی معاہدے کی کمیٹی کا پہلا اجلاس (آج) پیر کو استنبول میں ہوگا۔ ترک وزارت خارجہ کے ذرائع کے مطابق اجلاس میں تینوں ممالک کے اعلیٰ حکام شرکت کریں گے جبکہ نائب وزیراعظم سینیٹر اسحاق ڈار استنبول پہنچ گئے ہیں۔ غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے مطابق ترک وزارت خارجہ کے ذرائع نے کہا کہ ترکیے، سعودی عرب اور پاکستان کے اعلیٰ حکام رواں ماہ طے

بقیہ 11 صفحہ 3 پر

لاہور: وفاقی وزیر دفاع خواجہ آصف علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ کا دورہ کر کے مسافروں کو دی جانے والی سہولیات کا جائزہ لے رہے ہیں

ڈاکٹر محمد سلمان 3 سال کیلئے پمز کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر تعینات، نوٹیفکیشن جاری

ڈاکٹر الطاف حسین کو 3 ماہ کیلئے پمز ہسپتال کا جوائنٹ ایگزیکٹو ڈائریکٹر تعینات کیا گیا

اسلام آباد (پی پی آئی) پمز ہسپتال کے 21 گریڈ کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر رانا عمران سکندر کی معطلی کا نوٹیفکیشن جاری کردیا گیا۔ نوٹیفکیشن کے مطابق گریڈ 21 کے پمز کے ای ڈی ڈاکٹر رانا عمران سکندر کو 4 ماہ کیلئے معطل کردیا گیا، این آئی ایچ کے ڈاکٹر محمد سلمان کو 3 سال کیلئے پمز کا ایگزیکٹو ڈائریکٹر تعینات کیا گیا ہے، ڈاکٹر سلمان این آئی ایچ کے بھی ایگزیکٹو ڈائریکٹر رہیں گے۔ نوٹیفکیشن کے مطابق ڈاکٹر الطاف حسین کو 3

بقیہ 9 صفحہ 3 پر

نیپال میں تباہ کن سیلاب سے اموات 734، لاپتہ افراد کی تعداد 2,498 تک پہنچ گئی

کھٹمنڈو (پی پی آئی) نیپال میں تباہ کن سیلاب سے اموات اتوار کی صبح تک بڑھ کر 734 ہوگئی ہیں جبکہ لاپتہ ہونے والے افراد کی تعداد بھی 2,498 تک پہنچ گئی ہے۔ برطانوی ٹی وی نے

بقیہ 10 صفحہ 3 پر

پاکستان انڈر 19 ٹیم دورہ انگلینڈ کیلئے لاہور سے براستہ دبئی روانہ

دونوں ٹیموں کے درمیان ایک یوتھ ٹیسٹ اور 4 یوتھ ون ڈے میچز کی سیریز کھیلی جائے گی

لاہور (پی پی آئی) پاکستان انڈر 19 ٹیم دورہ انگلینڈ کے لیے لاہور سے روانہ ہوئی، پاکستان انڈر 19 ٹیم لاہور سے براستہ دبئی انگلینڈ پہنچے گی جہاں دونوں ٹیموں کے درمیان ایک یوتھ ٹیسٹ اور 4 یوتھ ون ڈے میچز کی سیریز کھیلی جائے گی۔ یوتھ ٹیسٹ 2 سے 5 ستمبر تک اروندل کاسل کرکٹ گراؤنڈ میں کھیلا جائے گا جبکہ 4 میچز پر مشتمل یوتھ ون ڈے سیریز 9 سے 16 ستمبر تک کھیلی جائے گی۔ ون ڈے سیریز کا پہلا میچ اروندل، دوسرا انگلڈ

بقیہ 12 صفحہ 3 پر

شنگھائی تعاون تنظیم نے کامیابی سے باہمی اعتماد کا ایک ماحول تشکیل دیا ہے، سیکرٹری جنرل

بیجنگ (پی پی آئی) شنگھائی تعاون تنظیم (ایس سی او) کا سربراہی اجلاس کرغزستان میں منعقد ہونے والا ہے۔ ایس سی او کے سیکرٹری جنرل نربیک بائیف نے سی ایم جی کو دیے گئے ایک

بقیہ 14 صفحہ 3 پر

دیہی علاقوں میں روزگار کیلئے صنعتی زونز قائم کیے جائیں ہمایوں اختر خان

عالمی آئی ٹی اداروں سے اشتراک کا دائرہ دیہی علاقوں تک بڑھایا جائے سابق وفاقی وزیر

لاہور (اے ایف پی) سابق وفاقی وزیر ہمایوں اختر خان نے کہا ہے کہ دیہی علاقوں میں روزگار کے نئے مواقع پیدا کرنے کیلئے صنعتی زونز قائم کرنے کی ضرورت ہے، گوگل اور دیگر عالمی آئی ٹی اداروں کے ساتھ اشتراک خوش آئند ہے تاہم اس کا دائرہ کار دیہی علاقوں تک بھی پھیلایا جائے تاکہ دیہی نوجوانوں کو جدید ہنر، آئی ٹی اور آن لائن

بقیہ 16 صفحہ 3 پر

دنیا میں امن اور استحکام قائم کرنا ہے تو یہ ہمارے خطے ہی سے ابھرے گا، مسعود پزشکیان

ہم نے جنگ شروع نہیں کی اور نہ ہی ہم جنگ کے خواہاں ہیں لیکن کسی بھی جارح کے خلاف پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہوں گے، خطاب

تہران (پی پی آئی) ایران کے صدر مسعود پزشکیان نے کہا ہے کہ دنیا میں امن اور استحکام قائم کرنا ہے تو یہ ہمارے خطے ہی سے ابھرے گا۔ تہران میں تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پوری قوت اور عزم سے کھڑی قوم کو ہتھیار ڈالنے پر کوئی بھی مجبور نہیں کرسکتا۔ ایرانی صدر نے کہا کہ ہم نے جنگ شروع نہیں کی اور نہ ہی

بقیہ 13 صفحہ 3 پر

چین، شی زانگ میں مڈسلائیڈ کی وجہ واضح ہوگئی، امدادی کارروائیاں جاری

بیجنگ (پی پی آئی) 30 اگست کو چین کے شی زانگ خود اختیار علاقے کی عوامی حکومت کی پریس کانفرنس میں شی زانگ میں مڈسلائیڈ کی وجہ واضح ہوگئی ہے۔ چائنا اکیڈمی آف سائنس کی چھنگ

بقیہ 15 صفحہ 3 پر

کے پی حکومت نے بی آر ٹی پشاور کیلئے مزید 50 بسیں خرید لیں، کمپنی کی جانب سے دو بسیں تحفے کے طور پر دی گئیں

ٹرانس پشاور کے مطابق بسوں کی خریداری پر مجموعی طور پر 3 ارب 20 کروڑ روپے لاگت کا تخمینہ لگایا گیا تھا

پشاور (اے ایف پی) خیبر پختونخوا حکومت نے بی آر ٹی پشاور کیلئے 2 ارب 13 کروڑ 90 لاکھ روپے کی مزید 50 بسیں خرید لیں۔ صوبائی حکومت کی جانب سے خریدی گئی 50 نئی بسوں میں سے مزید 27 بسیں اگلے مرحلے میں پشاور پہنچیں گی جس میں سے 2 بسیں کمپنی کی جانب سے تحفے کے طور پر دی گئی ہیں۔ بی آر ٹی بسوں کی تعداد 244 سے بڑھ کر 269 ہوگئی ہے جبکہ تمام نئی بسیں پہنچنے کے بعد بی آر ٹی بسوں کی مجموعی تعداد

بقیہ 17 صفحہ 3 پر

اسلام آباد: وفاقی وزیر احسن اقبال اسلام آباد میں سی ڈی ڈبلیو پی کے اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

افتخار گیلانی کی وزارت عظمیٰ نواز شریف کا فیصلہ، کسی سے زیادتی نہیں کی، رانا ثنا

شاہ غلام قادر پارٹی کے صدر ہیں، ہر قیمت پر ساتھ رہیں گے، انہیں اور راجا فاروق حیدر کو ٹیم میں شامل کریں گے، انٹرویو

اسلام آباد (پی پی آئی) وزیراعظم شہباز شریف کے مشیر سیاسی امور سینیٹر رانا ثناء اللہ نے کہا ہے کہ بیرسٹر افتخار گیلانی کو وزیراعظم آزاد کشمیر بنانے کا فیصلہ نواز شریف کا تھا۔ نجی ٹی وی کے پروگرام میں رانا ثناء اللہ نے کہا کہ بیرسٹر افتخار گیلانی کو وزیراعظم بنانے کا فیصلہ پارٹی قیادت اور میاں نواز شریف کا تھا۔ انہوں نے کہا کہ پارٹی

بقیہ 19 صفحہ 3 پر

بحرین، جعل سازی میں ایرانی شہری کو 10 سال قید اور ملک بدری کی سزا

منامہ (پی پی آئی) بحرین کی پہلی اعلیٰ فوجداری عدالت نے ایرانی شہریت رکھنے والے ایک شخص کو 10 سال قید کی سزا سنادی۔ ساتھ ہی

بقیہ 18 صفحہ 3 پر

کوئٹہ: موٹر سائیکل سوار صوبے کے اندرونی علاقوں میں سپلائی کے لیے ایرانی پیٹرول کے گیلن لے جا رہے ہیں

بانی پی ٹی آئی کی بہن بتا چکی عمران خان بالکل فٹ ہیں، وزیر دفاع

بیرون ملک بیٹھے پی ٹی آئی کے حامیوں کو ایک ایسے ماحول کی ضرورت ہے جس میں غم اور بے چینی پیدا ہو

خوف و ہراس پھیلے، بڑے پیمانے پر احتجاج شروع ہوں، اور ایسا بحران پیدا ہو جو حکومت کی تبدیلی اور بانی کی واپسی کا باعث بن سکے

اسلام آباد (جی این ایم) وزیر دفاع خواجہ محمد آصف نے کہا ہے کہ بانی پی ٹی آئی کی بہن نے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ عمران خان بالکل فٹ ہیں۔ سوشل میڈیا پر جاری بیان میں خواجہ آصف نے کہا کہ بانی پی ٹی آئی کی بہن کا بیان قطعی اور فیصلہ کن ہے، بانی کی بہن اور ذاتی ڈاکٹر کا اطمینان بخش بیان بیرون ملک حامیوں نے پسند نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ بیرون ملک بیٹھے پی ٹی آئی

بقیہ 23 صفحہ 3 پر

حکومت قیامِ امن میں اپنی نااہلی کا ملبہ باغات مالکان پر ڈال رہی ہے، مولانا حیدری

حکومت قیام امن میں اپنی نااہلی کا ملبہ باغات مالکان پر ڈال رہی ہے اب اپنی ناکامی چھپانے کے لیے باغات کی مالکان کو سہولت کار قرار دے رہا ہے

فورسز پر حملہ کسی کے باغ سے واردات ہو جائے تو مالک قصور وار کیسے ٹھہرا جاتا ہے۔ کسی کو سہولت کار قرار دینے سے بلوچستان کے امن مسئلہ حل نہیں ہوگا

کوئٹہ (اے این این) جمعیت علماء اسلام کے مرکزی جنرل سیکرٹری رکن قومی اسمبلی مولانا عبدالغفور حیدری نے کہا ہے کہ حکومت قیام امن میں اپنی نااہلی کا ملبہ باغات مالکان پر ڈال رہی ہے اب اپنی ناکامی چھپانے کے لیے باغات کی مالکان کو سہولت کار قرار دے رہا ہے قیام امن ریاست کی ذمہ داری ہے۔ باغات کے مالکان کو دہشت گردوں کا سہولت کار تصور کرنا یا باغات کو ختم کرنا

بقیہ 20 صفحہ 3 پر

کاسی بحریہ ٹاؤن الائیز کا احتجاج، عدالت عالیہ کے احکامات پر عملدرآمد کر کے فوری قبضہ دینے کا مطالبہ

بارہ سال سے چار ہزار الائیز ذہنی کوفت میں مبتلا ہیں، وزیر اعلیٰ اور کور کمانڈر نوٹس لیں، ندیم ترین

کوئٹہ (پی پی آئی) کاسی بحریہ ٹاؤن ایکشن الائیز کے سرپرست اعلیٰ ندیم ترین، عارف علی، انور درانی نے وزیر اعلیٰ میر سرفراز بگٹی، گورنر بلوچستان شیخ جعفر خان مندوخیل، کمانڈر 12 کور لیفٹیننٹ جنرل راحت نسیم خان اور سینئر ایم بی آر قیصر مجتبیٰ، ڈپٹی کمشنر کوئٹہ مہر اللہ بادینی سے مطالبہ کیا ہے کہ عدالت عالیہ کے احکامات پر عملدرآمد کرتے ہوئے الائیز کو فوری طور پر انتقالات اور قبضہ دیکر ان میں پائی جانے والی تشویش دور کی جائے۔ یہ بات انہوں نے اتوار کو کاسی بحریہ ٹاؤن اسکیم میں احتجاجی مظاہرے کے شرکاء سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ مظاہرین نے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر نعرے درج تھے انہوں نے کہا کہ الائیز

بقیہ 26 صفحہ 3 پر

گنداخہ، عوام کے اعتماد کو عملی خدمت اور ترقی سے پورا کریں گے، صوبائی وزیر

ترقیاتی منصوبوں میں معیار اور شفافیت پر سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا، پسماندہ علاقوں کو ترقی کے دھارے میں لایا جا رہا ہے

گنداخہ (پی پی آئی) پاکستان پیپلز پارٹی کے سینئر رہنما و صوبائی وزیر لائیو اسٹاک سردار زادہ فیصل خان جمالی نے کہا ہے کہ عوام نے جو اعتماد کا اظہار کیا ہے اس اعتماد کو عملی خدمت، ترقیاتی اقدامات اور بنیادی سہولیات کی فراہمی کے ذریعے پورا کرنا ہماری ذمہ داری ہے، سیاست کو ذاتی مفادات کے بجائے عوامی خدمت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حلقہ انتخاب کے مختلف علاقوں میں ترقیاتی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ جاری منصوبوں کو مقررہ مدت میں مکمل کرنے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ میڈیا نمائندوں سے

بقیہ 24 صفحہ 3 پر

ژوب، محکمہ لائیوسٹاک کی جانب سے مفت ویکسینیشن مہم کا کامیاب انعقاد

ژوب (پی پی آئی) صوبائی وزیر لائیوسٹاک، سیکرٹری لائیوسٹاک اور ڈی جی لائیوسٹاک کی خصوصی ہدایت پر ڈپٹی ڈائریکٹر لائیوسٹاک ڈاکٹر علاؤالدین نے ضلع ژوب میں لائیوسٹاک ویکسینیشن مہم 23 اگست 2026 سے 29 اگست

بقیہ 25 صفحہ 3 پر

ایف بی آر اور پاکستان کسٹمز کی جانب سے برآمدی سہولت اسکیم کے غلط استعمال کے خلاف کارروائی

پاکستان کسٹمز اس امر کا اعادہ کرتا ہے کہ تجارتی سہولت کاری اور موثر انفورسمنٹ ایک دوسرے کے معاون ترجیحات ہیں

اسلام آباد (پی پی آئی) پاکستان کسٹمز نے برآمدی سہولت اسکیم (EFS) کے تحت حاصل استثنیٰ کے غلط استعمال کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے درآمد شدہ کپڑے کی مبینہ غلط ڈیکلریشن کے معاملے میں موثر اقدامات کیے ہیں، جنہیں آل پاکستان ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن (اپٹما) نے باقاعدہ طور پر سراہا ہے۔ اپٹما کی جانب سے جاری کردہ

بقیہ 21 صفحہ 3 پر

مغربی کنارے میں فلسطینی بچوں اور نوجوانوں کے قتل میں اضافہ

نیویارک (پی پی آئی) مغربی کنارے میں فلسطینیوں، خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کے خلاف ہلاکتوں اور تشدد میں اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے تازہ اعداد و شمار کے مطابق 2026 کے

بقیہ 22 صفحہ 3 پر

چین کی معروف کمپنی کا پنجاب کے آئی ٹی سیکٹر میں اظہار دلچسپی

پنجاب میں گورننس کے نظام کو اے آئی سے مربوط کیا جا رہا ہے، کل کی بجائے آج ہی اے آئی اور دیگر ٹیکنالوجی کے استعمال کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، مریم نواز

بیجنگ (اے ایف پی) وزیر اعلیٰ پنجاب نے دورہ چین کے دوران چین کی معروف کمپنی کے اعلیٰ سطح وفد سے ملاقات کی جس میں چین کی معروف کمپنی نے پنجاب کے آئی ٹی سیکٹر میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ ملاقات میں زراعت، ہیلتھ کیئر، سوشو اکنامک پروگرام اور کلائمیٹ فور کاسٹ میں آرٹیفیشل انٹیلی جنس کے استعمال پر بات چیت ہوئی، پبلک سروسز کے لئے آرٹیفیشل انٹیلی جنس سٹریٹجک پارٹنرشپ پر بھی غور کیا گیا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف کا کہنا تھا کہ پنجاب میں گورننس کے نظام کو آرٹیفیشل انٹیلی جنس (اے آئی) سے مربوط کیا جا رہا ہے، کل کی بجائے آج ہی آرٹیفیشل انٹیلی جنس اور دیگر ٹیکنالوجی کے استعمال

بقیہ 27 صفحہ 3 پر

لاہور: امیر جماعت اسلامی پاکستان حافظ نعیم الرحمٰن چیئرنگ کراس چوک میں دھرنے کے مقام پر پریس کانفرنس کر رہے ہیں

راولپنڈی: چیئرمین پی ٹی آئی بیرسٹر گوہر خان سے کسان ونگ کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات چوہدری خالد نواز ڈھل آج ملاقات کر رہے ہیں

عوامی مسائل کا حل اور ترقیاتی منصوبوں کی بروقت تکمیل اولین ترجیح ہے، سلیم کھوسہ

جدید مواصلاتی نظام اور بنیادی ڈھانچے کی بہتری موجودہ حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل ہے

صوبے کے دور دراز علاقوں کو ترقی کے قومی دھارے سے جوڑنے کے لیے سڑکوں، پلوں اور دیگر مواصلاتی منصوبوں پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے

کوئٹہ (اے این این) صوبائی وزیر مواصلات و تعمیرات بلوچستان میر سلیم کھوسہ نے کہا ہے کہ بلوچستان کی ترقی، عوام کو بہتر سفری سہولیات کی فراہمی، جدید مواصلاتی نظام اور بنیادی ڈھانچے کی بہتری موجودہ حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ صوبے کے دور دراز علاقوں کو ترقی کے قومی دھارے سے جوڑنے کے لیے سڑکوں، پلوں اور دیگر مواصلاتی منصوبوں پر

بقیہ 30 صفحہ 3 پر

تاجروں اور دکانداروں کی سہولت کیلئے آسان ٹیکس اسکیم متعارف

سبز رجسٹریشن پلیٹ جس دکان میں نصب ہوگی، اس میں ایف بی آر عملہ پوچھ گچھ کے لئے داخل نہیں ہوسکے گا، بلال اظہر کیانی

کراچی (اے ایف پی) وزیر مملکت خزانہ بلال اظہر کیانی نے کہا ہے کہ کراچی کے تاجروں اور دکانداروں کی سہولت کیلئے آسان ٹیکس اسکیم متعارف کرائی گئی ہے، ایف بی آر عملہ دکان میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اپنے ایک بیان میں وزیر مملکت نے کہا کہ آسان ٹیکس اسکیم سے ٹیکس نیٹ مال پر ایک فی صد ٹیکس ادا کرے گا، اور رجسٹرڈ دکانداروں کو ایف بی آر سبز رنگ کی رجسٹریشن پلیٹ دے گا۔ وزیر مملکت نے کہا کہ سبز رجسٹریشن پلیٹ جس دکان میں نصب ہوگی، اس میں ایف بی آر عملہ پوچھ گچھ کے لئے داخل نہیں ہو سکے گا، اور آسان ٹیکس اسکیم میں شامل دکانداروں کا عمومی طور

بقیہ 28 صفحہ 3 پر

نظام گل سڑ گیا ہے، کے پی اور بلوچستان میں بدامنی ہے، حافظ نعیم

آنکھوں میں کھٹک رہا ہے، اسی لئے لیاقت باغ کو تالے لگا دیئے گئے۔ کارکن تالے توڑ کر اندر جانے کو تیار ہیں تاہم انہیں روکا ہوا ہے

حقیقی کام کچھ نہیں، نمائشی اقدامات زیادہ ہیں۔ ملک میں امن و امان کا معاملہ بگڑتا جا رہا ہے، دہشت گردی کے واقعات میں تیزی آتی جا رہی ہے

لاہور (اے این این) امیر جماعت اسلامی حافظ نعیم الرحمٰن نے کہا ہے کہ پنجاب میں حقیقی کام کچھ نہیں، نمائشی اقدامات زیادہ ہیں، ہر شعبے میں کرپشن ہی نظر آ رہی ہے، انکم ٹیکس صرف تنخواہ دار طبقے سے وصول کیا جا رہا ہے۔ چیئرنگ کراس لاہور میں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے حافظ نعیم الرحمٰن نے کہا کہ پنجاب میں حقیقی کام کچھ نہیں، نمائشی اقدامات زیادہ ہیں۔ ملک میں امن و امان کا معاملہ

بقیہ 29 صفحہ 3 پر

ڈی پی ایم سٹر قلات انجینیئر عائشہ زہری گورنمنٹ ڈگری گرلز کالج کی لائبریری کا معائنہ کر رہی ہیں

خاران میں چوری کے واقعہ کی کوریج پر صحافی کاشف بلوچ کو دھمکیاں، میڈیا کونسل کی شدید مذمت

واقعہ کی شفاف تحقیقات کر کے ملزمان کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے ورنہ احتجاج کریں گے، پاکستان اتحاد میڈیا کونسل

خاران (بی پی آئی) پاکستان اتحاد میڈیا کونسل رجسٹرڈ بلوچستان کے صوبائی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا ہے کہ گزشتہ دنوں خاران میں چوری کے ایک واقعے کی کوریج کے دوران پاکستان اتحاد میڈیا کونسل کے ڈویژنل عہدیدار اور صحافی کاشف بلوچ کو نامعلوم نمبروں سے دھمکیاں دی گئیں جس کی پاکستان اتحاد میڈیا کونسل بلوچستان شدید الفاظ میں مذمت کرتی ہے صوبائی ترجمان نے کہا کہ صحافیوں کو اپنے پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی کے دوران دھمکیاں دینا آزادی صحافت پر حملہ اور انتہائی قابل مذمت عمل ہے صحافی معاشرے کی آواز ہوتے ہیں اور انہیں اپنے فرائض بلا خوف و خطر انجام دینے کا مکمل حق حاصل ہے انہوں نے کہا کہ پاکستان اتحاد میڈیا کونسل بلوچستان کا موقف بالکل واضح ہے اور ہم خاران انتظامیہ اور ڈی آئی جی پولیس بلوچستان سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ کاشف بلوچ کو دھمکیاں دینے والے عناصر کو فوری طور پر قانون کے کٹہرے میں لایا جائے واقعے کی صاف شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائیں۔۔۔

کوئٹہ: ایئرپورٹ روڈ پر ایک دکان پر ٹرک سے سبزیوں کے تھیلے اتارتا ہوا مزدور

دالبندین، بجلی کی طویل لوڈشیڈنگ سے کاروبار بری طرح متاثر، تاجر اور شہری شدید پریشان

کیسکو حکام ستی فیڈر کا ظالمانہ شیڈول ختم کریں، بازار رات نو بجے تک کھلتے ہیں: تاجر برادری کا مطالبہ

دالبندین (بی پی آئی) دالبندین میں بجلی کی طویل لوڈشیڈنگ، کاروبار بری طرح متاثر، تاجر اور شہری پریشان دالبندین: چاغی کے صدر مقام دالبندین میں کیسکو حکام کی جانب سے شام 4 بجے سے رات 8 بجے تک بجلی کی بندش کے باعث کاروباری سرگرمیاں بری طرح متاثر ہو رہی ہیں، جبکہ تاجر اور عام شہری شدید پریشانی کا شکار ہیں۔ تفصیلات کے مطابق دالبندین اس وقت بھی شدید گرم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ دن کے وقت، خصوصاً شام 4 بجے جب گرمی اپنی شدت پر ہوتی ہے، بجلی کی بندش سے شہریوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تاجر برادری کا کہنا ہے کہ زیادہ تر مارکیٹوں اور دکانوں میں لوگ خریداری کے لیے شام 4 بجے کے بعد بازار کا رخ کرتے ہیں، لیکن اسی وقت سے رات 8 بجے تک بجلی کی بندش کے باعث کاروبار شدید متاثر ہو رہا ہے۔

سوات ایکسپریس وے ٹنل 2 کے قریب کوچ اور ڈمپر میں ٹکر، 4 افراد جاں بحق

مالاکنڈ (بی پی آئی) سوات ایکسپریس وے ٹنل 2 کے قریب کوچ اور ڈمپر میں خوفناک تصادم ہوا۔ ریسکیو حکام کے مطابق سوات ایکسپریس وے ٹنل 2 کے قریب کوچ اور ڈمپر میں خوفناک حادثہ پیش آیا، حادثے میں 4 افراد جاں بحق اور 7 افراد زخمی ہوئے جنہیں طبی امداد کیلئے فوری ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ ریسکیو حکام نے بتایا کہ سوات ایکسپریس وے ٹنل 2 کے قریب یہ حادثہ تیز رفتاری کے باعث پیش آیا تھا۔

مسلم لیگ (ن) سیاست میں انتقامی کارروائیوں پر یقین نہیں رکھتے ہیں، سید جہانگیر شاہ

عوام کے ووٹ کی طاقت سے آنے والوں کو فوری طور پر منسٹری دی جائے تاکہ وہ عوام کی خدمت کر سکیں۔

کوئٹہ (بی پی آئی) پاکستان مسلم لیگ (ن) بلوچستان کے صوبائی رہنما سید جہانگیر شاہ نے کہا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں محمد نواز شریف ایک عظیم قائد ہیں جو سیاست میں انتقامی کارروائیوں پر یقین نہیں رکھتے ہیں ہم پارٹی قائد سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ انسانی بنیادوں پر سابق وزیراعظم عمران خان کو علاج معالجے کی سہولیات کی فراہمی کی ہدایات دیں، بلوچستان میں مسلم لیگ (ن) کے کارکنوں کے مسائل حل کرنے کیلئے فوری طور پر عملی اقدامات اٹھائے جائیں تاکہ عوام میں پائی جانے والی بے چینی کا خاتمہ ہو سکے۔ یہاں جاری ہونے والے ایک بیان میں سید جہانگیر شاہ نے کہا کہ سابق وزیراعظم عمران خان اور جنرل پرویز مشرف نے اپنے دور اقتدار میں مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں محمد نواز شریف، بیگم کلثوم نواز، مریم نواز اور دیگر قائدین کے خلاف انتقامی کارروائیاں کیں انہیں جیلوں میں پابند سلاسل کیا گیا جو کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ (ن) کی رہنما بیگم کلثوم نواز کی بیماری کے باوجود ملک میں جمہوریت کی بحالی کیلئے جدوجہد کی جس کی بدولت ملک میں جمہوریت بحال

رحیم یار خان، کائنات بی بی قتل و زیادتی کیس، پولیس مقابلے میں 2 نامزد ملزمان ہلاک

خان پور (بی پی آئی) رحیم یار خان کے علاقے خانپور میں پولیس نے کارروائی کرتے ہوئے کائنات بی بی کے وحشیانہ قتل اور جنسی زیادتی کے مقدمے میں نامزد 2 ملزمان کو ہلاک کر دیا۔ ترجمان پولیس کے مطابق کائنات بی بی کے اغوا، قتل اور زیادتی کے مقدمے میں نامزد ملزمان اللہ دتہ عرف جمالی اور حسنین جمالی نے پولیس ٹیم کو دیکھتے ہی فائرنگ شروع کر دی جس پر پولیس نے اپنی جان بچاتے ہوئے موثر جوابی کارروائی کی۔ ترجمان پولیس کے مطابق پولیس مقابلے میں دونوں نامزد ملزمان ہلاک ہو گئے۔ حکام کے مطابق ہلاک ملزمان کے قبضے سے ناجائز اسلحہ بھی برآمد کیا

کوہلو، کوہ جاندران میں سبز اور نایاب درختوں کی بے دردے کٹائی جاری

غلاموں، خان محمد، نزر خان اور ازل خان کے گروہوں پر درخت کاٹ کر راتوں رات ٹال مالکان کو فروخت کرنے کا الزام

کوہلو (بی پی آئی) بلوچستان کے ضلع کوہلو کے کوہ جاندران کے مختلف علاقوں میں مبینہ طور پر لانگھانی مری کے ذیلی شاخ جعفرانی قبائل کے بعض افراد کی جانب سے سبز اور نایاب درختوں کی مسلسل کٹائی اور راتوں رات لکڑی ٹال مالکان کو فروخت کیے جانے کے الزامات نے ضلعی انتظامیہ اور محکمہ جنگلات و جنگلی حیات کی کارکردگی پر سوالات اٹھا دیے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق کوہ جاندران کے گزگاڑ جو کہ ایف سی چوکی 5 نمبر واقع مختلف علاقوں میں مبینہ طور پر لانگھانی مری کے ذیلی شاخ جعفرانی قبائل سے تعلق رکھنے والے غلاموں، خان محمد، نزر خان اور ازل خان گروہوں کے بعض افراد کی جانب سے سبز و نایاب درختوں کی کٹائی کا سلسلہ جاری ہے۔ علاقہ مکینوں کے مطابق درخت کاٹنے کے بعد لکڑی مبینہ طور پر رات کے اوقات میں ٹال مالکان کو فروخت کی جاتی ہے، جس سے علاقے کے قدرتی جنگلات کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔☆☆☆☆☆☆☆

کوئٹہ: امیر جماعت اسلامی بلوچستان ایم پی اے مولانا ہدایت الرحمٰن بلوچ گورنر ہاؤس کوئٹہ کے ساتھ جاری عوامی دھرنے سے خطاب کر رہے ہیں

منی پور میں نسلی فسادات کی نئی لہر، مودی سرکار حالات پر قابو پانے میں بری طرح ناکام

نئی دہلی (بی پی آئی) مودی سرکار کی یک طرفہ اور ناکام پالیسیوں نے منی پور کو آگ میں جھونک دیا، پرتشدد واقعات شدت اختیار کر گئے، بھارت کا اپنا جریدہ منی پور میں انتہاپسندانہ فسادات کی تفصیلات سامنے لے آیا، بھارتی جریدے کے مطابق منی پور کے کانگ پوکپی ضلع میں مسلح حملے کے نتیجے میں 4 افراد ہلاک، ایک زخمی اور ایک لاپتہ ہو گیا، حملے میں ہلاک اور زخمی ہونے والے افراد کا تعلق ناگا قبیلے سے ہے، مقامی افراد نے کوکی عسکریت پسندوں پر حملے میں ملوث ہونے کا الزام لگایا ہے۔۔

چھتر، ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر جاوید شریف عمرانی کی تعلیمی خدمات قابل تحسین

تعلیمی اداروں کی کارکردگی بہتر بنانے اور اساتذہ کی حاضری یقینی بنانے کے لیے بھرپور اقدامات جاری ہیں

چھتر (بی پی آئی) ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر چھتر جاوید شریف عمرانی کی تعلیمی خدمات قابل تحسین تفصیلات کے مطابق محکمہ تعلیم نصیر آباد کے متحرک اور فرض شناس افسر ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر چھتر جاوید شریف عمرانی کی تعلیمی شعبے کی بہتری اور تعلیمی نظام کو مزید موثر بنانے کے لیے خدمات قابل تحسین قرار دی جا رہی ہیں ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر جاوید شریف عمرانی اپنے فرائض منصبی کو احسن انداز میں انجام دینے کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں کی کارکردگی بہتر بنانے، اساتذہ کی حاضری یقینی بنانے اور طلبہ کو بہتر تعلیمی ماحول کی فراہمی کے لیے بھرپور اقدامات کر رہے ہیں جاوید شریف عمرانی کی جانب سے تعلیمی اداروں کی نگرانی اور تدریسی سرگرمیوں کو موثر بنانے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے، جبکہ اساتذہ اور طلبہ کے مسائل کے حل کے لیے بھی اقدامات کیے جا رہے ہیں تعلیمی حلقوں کا کہنا ہے کہ ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر چھتر جاوید شریف عمرانی کی محنت، فرض شناسی اور فعال کردار سے علاقے میں تعلیمی معیار کی بہتری کے لیے مثبت پیش رفت ہو رہی ہے، جو قابل ستائش امر ہے۔

امریکا سے معاہدہ بھی ہوا تو ایران پر حملہ کریں گے، اسرائیل کی کھلی دھمکی

تل ابیب (بی پی آئی) اسرائیل نے ایران کو خبردار کیا ہے کہ اگر تہران نے اپنا جوہری پروگرام یا بیلسٹک میزائل پروگرام دوبارہ شروع کرنے کی کوشش کی تو اسرائیل ایک بار پھر حملہ کرے گا، چاہے ایران اور امریکا کے درمیان کوئی معاہدہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ عرب ٹی وی کے مطابق اسرائیلی وزیر توانائی ایلی کوہن نے ہفتے کے روز اسرائیلی ویب سائٹ وائی نیٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ایران کی جانب سے جوہری یا بیلسٹک میزائل پروگرام کی بحالی کی کوشش کو اسرائیل برداشت نہیں کرے گا۔

کوئٹہ، فنکارہ مسکان ملک پریس کلب کے سامنے احتجاج کر رہی ہیں

سول ویٹرنری ہسپتال میں جانوروں کے علاج معالجے کی سہولیات جاری

[...] طبی علاج کیا جاتا ہے سول ویٹرنری ہسپتال ڈیرہ مراد جمالی علاقے میں مویشی پال افراد کے لیے اہم طبی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں روزانہ کی بنیاد پر مختلف بیماریوں میں مبتلا جانوروں کو علاج کی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں جانوروں کی صحت کو بہتر رکھنے کے لیے بروقت تشخیص اور مناسب علاج پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، جبکہ مویشی پال افراد کو جانوروں کی دیکھ بھال اور بیماریوں سے بچاؤ کے

جنوبی کوریا کا خودکش ڈرون بحری مشق کے دوران فیل، لانچ کے چند سیکنڈ بعد سمندر میں جا گرا

سیول (بی پی آئی) جنوبی کوریا میں مقامی طور پر تیار کیا گیا جدید خودکش ڈرون بحری جنگی مشق کے دوران لانچ ہوتے ہی فیل ہو گیا اور چند سیکنڈ بعد سمندر میں جا گرا، عرب ٹی وی کے مطابق [...]

پمز ہسپتال میں پیش آنے والے دلخراش واقعے نے ہر آنکھ کو اشکبار ہے، میر محمد یعقوب خان کھوسہ

سوگوار والدین و لواحقین کو صبر جمیل دے اور آئندہ ایسے المناک واقعات سے محفوظ رکھے۔ آمین

چھتر (بی پی آئی) پاکستان پیپلز پارٹی صحبت پور کے ضلعی صدر میر محمد یعقوب خان کھوسہ نے پمز [...] کھوسہ نے کہا کہ پمز ہسپتال میں پیش آنے والے دلخراش واقعے نے ہر آنکھ کو اشکبار کر دیا ہے جن [...]

حزب اللہ ایران کے حکم پر مذاکرات سے انکار کر رہی ہے، امریکا کا الزام

بیروت (بی پی آئی) امریکا نے ایران کی حمایت یافتہ لبنانی تنظیم حزب اللہ پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ ایران کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے لبنانی حکومت، امریکا اور اسرائیل کے ساتھ [...]

کوہلو، کوہ جاندران میں سبز اور نایاب درختوں کی بے دردے کٹائی جاری

غلاموں، خان محمد، نزر خان اور ازل خان کے گروہوں پر درخت کاٹ کر راتوں رات ٹال مالکان کو فروخت کرنے کا الزام

[...] تحفظ کے لیے درختوں کی کٹائی پر پابندی عائد کی گئی ہے، جبکہ دوسری جانب بعض مقامات پر درختوں کی کٹائی کا سلسلہ مبینہ طور پر بلا روک ٹوک جاری ہے۔ شہریوں نے سوال اٹھایا کہ اگر ایک طرف شجرکاری مہم کے تحت درخت لگائے جا رہے ہیں تو دوسری جانب موجودہ سبز اور نایاب درختوں کی حفاظت کیوں نہیں کی جا رہی؟ ☆☆☆☆☆☆

کوئٹہ، جامعہ امام صادق کے سابق پرنسپل علامہ محمد جمعہ اسدی کی یاد میں منعقدہ تعزیتی ریفرنس سے وفاق المدارس شیعہ پاکستان کے صدر حافظ ریاض حسین نجفی، مولانا محمد خان شیرانی، ایم پی اے مولانا ہدایت الرحمٰن، مولانا ہاشمی، علامہ امین شہیدی، عاشق حسین، مصطفیٰ تیموری، مولانا مشتاق حسین عمرانی، علامہ رمضان توقیر، اکبر حسین زاہدی اور ندیم احمد جباری خطاب کر رہے ہیں Q4 کوئٹہ، پشتونخوا ایپ کے چیئرمین محمود خان اچکزئی گرینڈ جرگہ سے خطاب کر رہے ہیں

چھتر، نائب تحصیلدار میر حسن صدورا خان ابڑو کی کارکردگی قابل تحسین، انتظامی امور میں متحرک

فرائض منصبی کی احسن انداز میں انجام دہی سے عوامی مسائل کے حل میں بہتری آ رہی ہے، عوامی حلقے

چھتر (بی پی آئی) نائب تحصیلدار میر حسن صدورا خان ابڑو کی کارکردگی قابل تحسین، انتظامی امور میں متحرک تفصیلات کے مطابق نائب تحصیلدار میر حسن صدورا خان ابڑو اپنے فرائض منصبی کو ذمہ داری، فرض شناسی اور پیشہ ورانہ انداز میں انجام دے رہے ہیں تحصیل میر حسن میں انتظامی امور کی انجام دہی، سرکاری معاملات کی نگرانی اور عوامی مسائل کے حل کے حوالے سے ان کی کارکردگی کو عوامی و سماجی حلقوں کی جانب سے سراہا جا رہا ہے نائب تحصیلدار صدورا خان ابڑو کی جانب سے اپنے دفتر کے انتظامی امور کو بہتر انداز میں چلانے کے ساتھ ساتھ مختلف سرکاری معاملات میں بھی خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران قانون و ضابطے کی پاسداری کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کر رہے ہیں، جبکہ عوامی نوعیت کے معاملات میں بھی ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیا جا رہا ہے عوامی حلقوں کا کہنا ہے کہ انتظامیہ کے افسران کی جانب سے اگر اسی طرح اپنے فرائض کو ایمانداری، محنت اور ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا جائے تو عوام کو درپیش مسائل کے حل میں نمایاں بہتری لائی جا سکتی ہے شہریوں نے نائب تحصیلدار میر حسن صدورا خان ابڑو کی کارکردگی

تحصیلدار کے انٹرویوز اچانک ملتوی کرنے پر پی ٹی آئی رہنما محمد رحیم کاکڑ کا اظہار مذمت

چار سال تک امیدواروں کو لٹکائے رکھنا مستقبل سے کھلواڑ ہے، انٹرویوز کا فوری آغاز کیا جائے

کوئٹہ (بی پی آئی) پاکستان تحریک انصاف کے رہنما محمد رحیم کاکڑ و دیگر نے بیان میں بلوچستان پبلک سروس کمیشن کی جانب سے تحصیلدار کی اسامیوں کے انٹرویوز کے اچانک ملتوی کرنے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بلوچستان پبلک سروس کمیشن مسلسل سیاسی مداخلت کے باعث شفافیت اور میرٹ پر مبنی تقرریوں کا عمل شدید خدشات اور سوالات کی زد میں آ گیا۔ تحصیلدار کی اسامیوں کے لئے 2022 میں اشتہار شائع کیا گیا تھا، جبکہ ان کے تحریری امتحانات کا انعقاد 2024 میں ہوا۔ چار سال کی طویل تاخیر کے بعد اگست 2026 میں انٹرویوز کا سلسلہ شروع ہوا تھا

ہائی کورٹ آف بلوچستان میں نئے قائم کردہ سہولت سنٹر کا افتتاح (آج) پیر صبح ساڑھے 10 بجے کو ہوگا

کوئٹہ (بی پی آئی) ہائی کورٹ آف بلوچستان میں نئے قائم کردہ سہولت سنٹر کا افتتاح (آج) پیر صبح ساڑھے 10 بجے کو ہوگا۔ چیف جسٹس آف پاکستان یحییٰ خان آفریدی نئے قائم کردہ سہولت سنٹر کا افتتاح کریں گے جبکہ سہولت سنٹر کی افتتاحی تقریب میں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ آف بلوچستان کے ججز شرکت کریں

سابق وزیراعلیٰ نواب ثناء اللہ زہری اور صوبائی مشیر نوابزادہ امیر حمزہ خان زہری کی کوئٹہ میں مختلف شخصیات سے تعزیت

کوئٹہ (بی پی آئی) پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما، سابق وزیراعلیٰ بلوچستان و چیف آف جھالاوان نواب ثناء اللہ خان زہری اور صوبائی مشیر بلدیات و دیہی ترقی نوابزادہ امیر حمزہ خان زہری نے مختلف شخصیات سے ملاقاتیں کر کے تعزیت اور فاتحہ خوانی کی سابق وزیراعلیٰ نواب ثناء اللہ خان زہری اور صوبائی مشیر نوابزادہ امیر حمزہ خان زہری نے ہفتے کے روز میر آدم خان زہری کی رہائش گاہ پر میر شاہ بیگ خان کی انتقال پر فاتحہ خوانی اور تعزیت کا اظہار کیا جبکہ کوئٹہ میں میر زہری خان موسیانی سے ملاقات کی اور ان کے بھائی شہید میر خلیل موسیانی کی شہادت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے

اوستہ محمد، گٹکا، پان پراگ اور ایرانی تیل کے غیر قانونی کاروبار میں اضافہ

ڈی آئی جی نصیر آباد اور ایس پی اوستہ محمد اسمگلنگ اور جرائم کے خلاف بلا امتیاز سخت کارروائی کریں، عوامی حلقے

اوستہ محمد (بی پی آئی) اوستہ محمد میں پان پراگ، گٹکا اور ایرانی پٹرول و ڈیزل کے مبینہ غیر قانونی کاروبار نے تشویشناک صورتحال اختیار کر لی ہے۔ شہری حلقوں کا کہنا ہے کہ شہر سے سندھ اور بلوچستان کے مختلف شہروں تک گٹکا، پان پراگ اور ایرانی پٹرول و ڈیزل کی مبینہ اسمگلنگ کا سلسلہ کھلے عام جاری ہے، جس کے باعث قانون کی عملداری پر سوالات اٹھنے لگے ہیں۔ عوامی حلقوں کے مطابق شہر میں مضر صحت اشیا کی مبینہ فروخت اور ایرانی پٹرول و ڈیزل کے کاروبار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جبکہ اندرون سندھ کے مختلف شہروں میں پان پراگ و ایرانی پٹرول کی سمگلنگ عروج پر پولیس انتظامیہ کی چاندی ہوگئی ہے، جبکہ دوسری جانب اسٹریٹ کرائم کی وارداتوں میں بھی اضافہ شہریوں کے لیے باعث تشویش بن گیا ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ چوری، ڈکیتی اور دیگر جرائم کے باعث شہری اور تاجر برادری خود کو غیر محفوظ تصور کرنے لگی ہے۔ شہریوں نے الزام عائد کیا کہ غیر قانونی کاروبار کرنے والے بعض عناصر مبینہ طور پر بااثر افراد کی پشت پناہی حاصل ہونے کے باعث قانون کی گرفت سے باہر ہیں۔

امریکا کا چین کیخلاف وسیع پیمانے پر پابندیاں عائد کرنا سفارتی طور پر مشکل ہوگا، مارک فائٹل

واشنگٹن (بی پی آئی) امریکا کے سابق قومی سلامتی کے عہدیدار مارک فائٹل کا کہنا ہے کہ امید ہے کہ امریکا کو ایران سے خام تیل خریدنے والے چینی خریداروں پر قانونی پابندیاں عائد کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ انہوں نے عرب میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میرے خیال میں ٹرمپ اور امریکی محکمہ خزانہ اس اقدام کو اپنے پاس

ایران ایک ہفتے کے دوران 59 زلزلوں کے جھٹکوں سے لرز اٹھا

تہران (بی پی آئی) ایران میں ایک ہفتے کے دوران 59 زلزلے ریکارڈ کیے گئے جس نے ملک میں زلزلہ خیزی کے حوالے سے تشویش بڑھا دی ہے۔ تہران یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف جیو فزکس کے سیسمولوجیکل نیٹ ورکس کے مطابق 15 سے 21 اگست کے دوران ایران میں 54 زلزلوں کی شدت 3 سے کم، 3 زلزلوں کی شدت 3 سے 4 جبکہ 2 زلزلوں کی شدت 4 سے 5 کے درمیان ریکارڈ کی گئی۔

کوئٹہ، بجلی کی غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ اور کم وولٹیج سے کاروباری سرگرمیاں شدید متاثر

مسائل کا فوری نوٹس نہ لیا گیا تو تاجر برادری سے مشاورت کے بعد احتجاجی لائحہ عمل اختیار کریں گے، کاشف حیدری

کوئٹہ (بی پی آئی) مرکزی تنظیم تاجران بلوچستان کے ترجمان کاشف حیدری نے کہا ہے کہ کوئٹہ میں بجلی کی غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ حد سے تجاوز کر گئی ہے، بجلی کی بار بار بندش اور کم وولٹیج کے باعث کاروباری سرگرمیاں شدید متاثر ہو رہی ہیں، بجلی سے منسلک کاروبار کرنے والے تاجر مالی مشکلات سے دوچار ہیں، جبکہ شدید گرمی میں عوام کو بھی سخت پریشانی کا سامنا ہے۔ بنیادی مسائل کے حل کے لیے فوری اور عملی اقدامات نہ کیے گئے تو تاجر برادری احتجاج پر مجبور ہوگی۔ یہ بات انہوں نے اتوار کے روز ملاقات کے لیے آنے والے وفد سے گفتگو کرتے ہوئے کہی۔ اس موقع پر محمد مہدی، منظور حسین، زیشان ہزارہ، علی رضا، رضا حسین، حسن علی، محمد علی، مرتضیٰ جعفری، سید عباس، شعیب ہزارہ، فہد حسین اور آصف علی سمیت دیگر تاجر رہنما موجود تھے۔ کاشف حیدری نے کہا کہ کوئٹہ میں بجلی کی غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ ایک سنگین مسئلہ بن چکی ہے۔ کئی کئی گھنٹوں تک بجلی کی بندش سے نہ صرف شہریوں کے معمولات زندگی متاثر ہو رہے ہیں بلکہ کاروباری سرگرمیاں بھی بری طرح مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔ خصوصاً وہ کاروبار جن کا براہ راست انحصار بجلی پر ہے، بجلی کی بندش کے باعث روزانہ کی بنیاد پر نقصان اٹھا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تاجر برادری پہلے ہی مہنگائی، ٹیکسز، بڑھتے ہوئے اخراجات اور کمزور کاروباری حالات سے پریشان ہے، ایسے میں بجلی کی غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ نے مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ بجلی کی بار بار بندش کے باعث دکانوں، ورکشاپس، ہوٹلوں، بیکریوں، ٹیلرز، الیکٹرانکس اور دیگر کاروباروں کا کام متاثر ہو رہا ہے، جبکہ بجلی کی آنکھ مچولی اور کم وولٹیج سے قیمتی برقی آلات اور مشینری کو بھی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔ ترجمان نے کہا کہ ایک طرف عوام اور تاجروں کو بھاری بھرکم بجلی کے بل ادا کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے جبکہ دوسری جانب انہیں بلاتعطل بجلی کی فراہمی یقینی نہیں بنائی جا رہی۔ اگر صارفین سے بجلی کے بلوں کی بروقت ادائیگی کی توقع کی جاتی ہے تو متعلقہ اداروں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ صارفین کو بجلی کی مناسب اور مسلسل فراہمی یقینی بنائیں۔ کاشف حیدری نے کہا کہ غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ کے باعث تاجروں کو کاروباری اوقات میں شدید مشکلات کا سامنا ہے، کئی کاروباری مراکز میں کام رک جاتا ہے اور گاہکوں کو بھی واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ اس صورتحال کا براہ راست اثر نہ صرف تاجروں کی آمدن بلکہ مجموعی کاروباری سرگرمیوں پر

کوئٹہ، برکت علی بلیدی کی جانب سے عبدالشکور مری، جوند خان مری، حاجی مزار خان مری اور دیگر کی اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ کے شرکاء

وندر، ہنگول نیشنل پارک اور ساحلی پٹی پر مہمان پرندوں کی آمد سے قبل غیر قانونی شکار کی تیاریاں

محکمہ جنگلی حیات کی خاموشی پر تشویش، تحصیل لیاری اور ملحقہ علاقوں میں فوری گشت اور سخت نگرانی کا مطالبہ

وندر (بی پی آئی) وندر، ہنگول نیشنل پارک تحصیل لیاری کی ساحلی پٹی میں بحری، مہاجر اور مہمان پرندوں کی آمد کا موسم شروع ہونے سے قبل ہی غیر قانونی شکار میں ملوث عناصر نے مبینہ طور پر اپنے پھندے گاڑنے شروع کر دیے۔ تفصیلات کے مطابق ضلع لسبیلہ کی تحصیل لیاری سے ہنگول نیشنل پارک تک پھیلے وسیع ساحلی علاقوں میں شاہین، بحری پرندوں سمیت مختلف محفوظ نایاب اور قیمتی پرندوں کی نسلیں مبینہ طور پر شکاریوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ ہر سال ستمبر اور اکتوبر کے دوران سرد علاقوں سے ہجرت کر کے سینکڑوں کی تعداد میں مہاجر پرندے بلوچستان کی ساحلی پٹی کا رخ کرتے ہیں جہاں یہ مہمان پرندے کچھ عرصہ اپنے قدرتی مسکن میں قیام کر کے موسم سازگار ہونے پر دوبارہ اپنی منزلوں کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں تاہم اس مرتبہ بھی ان معصوم مہمانوں کی آمد سے قبل ہی غیر قانونی شکار میں ملوث عناصر کے سرگرم ہونے کی اطلاعات نے محکمہ جنگلی حیات کے تحفظ کے حوالے سے تشویش کی لہر دوڑا دی ہے۔ اس حوالے سے علاقائی ذرائع کا کہنا ہے۔۔

کوئٹہ، وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے زیر اہتمام پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا جا رہا ہے

پہلی مرتبہ ادویات کی بروقت فراہمی یقینی بنائی جا رہی ہے، حاجی خان محمد بڑیچ

تمام سرکاری ہسپتالوں کو فعال کر کے وہاں ڈاکٹروں اور عملے کی حاضری کو یقینی بنایا گیا ہے، پیپلز پارٹی

کوئٹہ (بی پی آئی) پاکستان پیپلز پارٹی کے صوبائی رہنماؤں حاجی خان محمد بڑیچ، میر شاہ اللہ جنگ، میر ریاض شاہوانی، اختر بلوچ، پیپلز لیبر بیورو بلوچستان کے صدر شاہجہان گجر، عزیز لانگو، وزیر بڑیچ نے کہا ہے کہ صوبائی وزیر صحت بخت محمد کاکڑ کی دن رات کوششوں کی بدولت صوبے بھر میں تمام سرکاری ہسپتالوں کو فعال کر کے وہاں ڈاکٹروں اور عملے کی حاضری کو یقینی بنایا گیا ہے جس سے دور دراز علاقوں کے عوام صحت کی سہولیات سے استفادہ کر رہے ہیں، وزیراعلیٰ بلوچستان اور وزیر صحت کی خصوصی دلچسپی کے باعث کوئٹہ اسپنی روڈ پر ٹراما سینٹر کو مکمل طور پر فعال کیا گیا اور عوام کی سہولت کیلئے پیپلز ایئر ایمبولینس سروس کا آغاز کیا گیا۔ یہاں جاری ہونے والے اپنے ایک مشترکہ بیان میں انہوں نے کہا کہ صوبے کے اکثر دور دراز علاقوں میں ہسپتال غیر فعال ڈاکٹرز سمیت دیگر عملہ اپنی ڈیوٹیوں سے غیر حاضر تھا وزیراعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی، صوبائی وزیر صحت بخت محمد کاکڑ کی ذاتی کوششوں سے صوبے بھر کے تمام ہسپتالوں کو فعال کر کے وہاں ڈاکٹروں اور دیگر عملے کی حاضری کو یقینی بنایا گیا۔۔

کراچی، اے وی ایل سی کی کارروائی میں ملک گینگ کا کارندہ ہلاک

کراچی (بی پی آئی) شہر قائد میں اینٹی وہیکل لفٹنگ سیل (اے وی ایل سی) سی آئی اے گڈاپ ڈویژن کے مبینہ پولیس مقابلے میں ملک گینگ سے تعلق رکھنے والا ملزم ہلاک ہو گیا۔ پولیس کے مطابق دو طرفہ فائرنگ کے تبادلے میں ملزم سلیم ولد غلام یاسین شدید زخمی ہوا جو ہسپتال منتقل کیے جانے کے دوران دم توڑ گیا۔

دشمن اپنے اہداف میں ناکام رہا، مسلح افواج بدستور مضبوط ہے، ایرانی آرمی چیف

تہران (بی پی آئی) ایرانی آرمی چیف میجر جنرل امیر حاتمی نے کہا ہے کہ حالیہ محاذ آرائی کے دوران بیرونی قوتیں ایران کے خلاف اپنے طے شدہ اسٹریٹجک مقاصد حاصل نہیں کر سکیں۔ شہداء کی یاد میں منعقدہ ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ایرانی فوج کے کمانڈر ان چیف نے کہا کہ کسی بھی جنگ میں کامیابی کا فیصلہ اس بات سے ہوتا ہے۔۔

چھتر، پمز ہسپتال واقعہ پر میر ارشد حسین خان کھوسہ کا اظہار افسوس

معصوم بچوں کا اس طرح جان کی بازی ہار جانا دلخراش سانحہ ہے، تمام ہسپتالوں میں فائر سیفٹی کے انتظامات یقینی بنائے جائیں

چھتر (بی پی آئی) پمز ہسپتال سانحہ، نومولود بچوں کی ہلاکت پر میر ارشد حسین خان کھوسہ کا اظہار افسوس تفصیلات کے مطابق میر ارشد حسین خان کھوسہ نے پمز ہسپتال میں آتشزدگی کے افسوسناک واقعے کے دوران نومولود بچوں کی ہلاکت پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ معصوم بچوں کا اس طرح جان کی بازی ہار جانا انتہائی دلخراش اور ناقابل تلافی سانحہ ہے میر ارشد حسین خان کھوسہ نے کہا کہ پمز ہسپتال کا واقعہ ایک ایسے وقت میں پیش آیا جب والدین اپنے نومولود بچوں کی صحتیابی اور زندگی کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ آتشزدگی کے باعث معصوم جانوں کا ضیاع پوری انسانیت کے لیے باعث رنج ہے، جبکہ متاثرہ والدین جس کرب اور اذیت سے گزر رہے ہیں، اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا انہوں نے کہا کہ متاثرہ خاندانوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور جاں بحق نومولود بچوں کے والدین و لواحقین سے دلی تعزیت اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سوگوار خاندانوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور معصوم بچوں کو اپنی جوار رحمت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے۔۔۔☆☆☆☆☆☆☆☆

بنگلہ دیش نے چین سے جدید جے 10 سی ای جنگی طیارے خریدنے کے معاہدے کی تصدیق کر دی

ڈھاکا (بی پی آئی) بنگلہ دیش نے چین سے جدید جے 10 سی ای جنگی طیارے خریدنے کے معاہدے کی تصدیق کر دی ہے۔ بنگلہ دیشی حکام کے مطابق گزشتہ سال پاکستان اور بھارت کے درمیان ہونے والی مختصر جنگ میں چینی ساختہ جے 10 سی ای طیاروں کی کارکردگی نے ڈھاکا کی توجہ حاصل کی۔

چھتر، پمز واقعہ بچوں کی ہلاکت پر میر معین الدین خان کھوسہ کا اظہار افسوس

معصوم بچوں کی اموات انتہائی دلخراش سانحہ ہے، ہسپتالوں میں فائر سیفٹی کے موثر انتظامات یقینی بنائے جائیں، میر معین الدین خان

چھتر (بی پی آئی) پمز ہسپتال سانحہ پر میر معین الدین خان کھوسہ کا اظہار افسوس، معصوم بچوں کی اموات پر گہرے دکھ کا اظہار تفصیلات کے مطابق معروف زمیندار و ممبر ضلع کونسل صحبت پور میر معین الدین خان کھوسہ نے پمز ہسپتال میں آتشزدگی کے افسوسناک واقعے کے نتیجے میں نومولود بچوں کی ہلاکت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ معصوم بچوں کی اموات انتہائی افسوسناک اور دلخراش سانحہ ہے میر معین الدین خان کھوسہ نے کہا کہ ہسپتال میں زیر علاج نومولود بچوں کا آتشزدگی کے باعث جان کی بازی ہار جانا انتہائی تکلیف دہ واقعہ ہے۔ والدین اپنے بچوں کی صحتیابی کی امید لیے ہسپتال میں موجود تھے، ایسے میں ان کے لخت جگر کا ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانا ان کے لیے ناقابل بیان صدمہ ہے انہوں نے کہا کہ متاثرہ خاندانوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور سوگوار والدین و لواحقین سے دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جاں بحق ہونے والے معصوم بچوں کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل نصیب کرے میر معین الدین خان کھوسہ نے کہا کہ اس سانحے نے ہسپتالوں میں حفاظتی انتظامات کی اہمیت کو ایک بار پھر اجاگر کر دیا ہے۔ ملک بھر کے سرکاری و نجی ہسپتالوں میں فائر سیفٹی کے موثر انتظامات، فوری ایمرجنسی رسپانس، ہنگامی انخلا کے واضح طریقہ کار اور نومولود بچوں کی حفاظت کے لیے خصوصی حفاظتی اقدامات کو یقینی بنایا جانا چاہیے۔ انہوں نے متعلقہ حکام پر زور دیا کہ واقعے کی مکمل تحقیقات کر کے آتشزدگی کی وجوہات اور حفاظتی انتظامات کا جائزہ لیا جائے، جبکہ مستقبل میں ایسے افسوسناک واقعات کی روک تھام کے لیے ہسپتالوں میں حفاظتی نظام کو مزید مضبوط بنایا جائے۔۔

صحبت پور، دکانوں کے سامنے موٹر سائیکلیں کھڑی ہونے اور تجاوزات سے ٹریفک کا نظام درہم برہم

ضلعی انتظامیہ کی کارروائیاں فوٹو سیشن تک محدود، افسران پر پی سی آئی سیل کر کے پیسے بٹورنے کا الزام

صحبت پور (بی پی آئی) صحبت پور ضلعی ہیڈ کوارٹر دکانوں کے سامنے موٹر سائیکل کھڑی ہونے گاڑی تو اپنی جگہ پیدل چلنا دشوار بن گیا۔ ضلعی انتظامیہ خاموش ٹریفک کا نظام درہم برہم۔ تفصیلات کے مطابق صحبت پور ضلعی ہیڈ کوارٹر شہر ہے جس حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ ناجائز تجاوزات دکانوں کے سامنے موٹر سائیکلیں کھڑی ہونے کی وجہ سے پیدل بھی چلنا ناممکن رہا ہے۔ دکانداروں نے روڈ کے حدود نالیوں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ ضلعی انتظامیہ گزر بسر کرنے والے ریڑھی بانوں پر زور اور فوٹو سیشن تک محدود ہو گیا ہے۔

گنداخہ، میر صابر خان پندرانی کی محمد علی جمالی کو ڈی ایس پی سرکل تعینات ہونے پر مبارکباد

ایماندار اور فرض شناس آفیسر کی تعیناتی سے علاقے میں امن و امان کی صورتحال بہتر ہوگی، چیئرمین پندرانی نوجوان اتحاد

گنداخہ (بی پی آئی) پاکستان پندرانی نوجوان اتحاد کے چیئرمین میر صابر خان پندرانی نے بہترین پولیس آفیسر محمد علی جمالی کو ڈی ایس پی سرکل گنداخہ تعینات ہونے پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ اپنے ایک بیان میں میر صابر خان پندرانی نے کہا کہ محمد علی جمالی ایک بہترین، ایماندار، فرض شناس اور دلیر پولیس آفیسر ہیں، جنہوں نے اپنے فرائض ہمیشہ ذمہ داری اور پیشہ ورانہ انداز میں انجام دیے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ڈی آئی جی نصیر آباد اور آئی جی پولیس بلوچستان کی جانب سے محمد علی جمالی کو ڈی ایس پی سرکل گنداخہ تعینات کرنا ایک بہترین فیصلہ ہے، جس سے علاقے کے عوام میں امید کی نئی کرن پیدا ہوئی ہے۔ میر صابر خان پندرانی نے امید ظاہر کی کہ محمد علی جمالی کی تعیناتی سے گنداخہ سرکل میں امن و امان کی صورتحال مزید بہتر ہوگی، جرائم کی روک تھام میں موثر اقدامات کیے جائیں گے

مغربی کنارے میں فلسطینی بچوں اور نوجوانوں کے قتل میں اضافہ

نیویارک (بی پی آئی) مغربی کنارے میں فلسطینیوں، خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کے خلاف ہلاکتوں اور تشدد میں اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے تازہ اعداد و شمار کے مطابق 2026 کے آغاز سے اب تک 79 فلسطینی اسرائیلی فورسز یا آبادکاروں کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں، جن میں 19 بچے شامل ہیں۔ تقریباً 1,870 فلسطینی زخمی بھی ہوئے ہیں۔ 21 اگست کو الخلیل کے قریب آبادکاروں کے حملے میں ایک فلسطینی لڑکا ہلاک اور دوسرا شدید زخمی ہوا۔

کراچی، غیر قانونی سگریٹ فیکٹری پر بڑا چھاپہ، کروڑوں کا سامان ضبط

کارروائی کے دوران غیر قانونی سگریٹ فیکٹری کو سیل کر دیا گیا، ایف آئی آر بھی درج کر لی گئی

کراچی (بی پی آئی) وزیراعظم پاکستان اور چیئرمین ایف بی آر کی ہدایت پر تمباکو کی غیر قانونی تجارت اور ٹیکس چوری کے خلاف کارروائیاں تیز کر دی گئیں۔ کراچی میں آر ٹی او کراچی نے خفیہ اطلاع پر غیر قانونی سگریٹ فیکٹری پر بڑا چھاپہ مار کر کروڑوں روپے مالیت کی سگریٹ سازی کی مشینری، خام مال اور تیار سگریٹ ضبط کر لیے۔ آر ٹی او حکام کے مطابق کارروائی کے دوران غیر قانونی سگریٹ فیکٹری کو سیل کر دیا گیا جبکہ ملوث عناصر کے خلاف اسپیشل جج کسٹمز و ٹیکسیشن کی عدالت میں ایف آئی آر بھی درج کر لی گئی

کوئٹہ، جمعیت علماء اسلام کے ضلعی امیر مولانا عبدالرحمٰن رفیق ضلع کوئٹہ کی مجلس عاملہ کے اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

EDITORIAL
ادارتی صفحہ

ABC CERTIFIED
آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت
DAILY HARB-E-BAQA QUETTA
روزنامہ حرب بقا کوئٹہ
چیف ایڈیٹر عارف رانا
Email.harbebaqa@gmail.com

سمجھنا قبل از وقت ہوگا

قمر زمان خان

آزاد جموں و کشمیر میں طویل سیاسی تعطل کے بعد بالآخر ایک نئی سیاسی صبح طلوع ہوئی ہے۔

قانون ساز اسمبلی نے بیرسٹر سید افتخار علی گیلانی کو ریاست کا نیا وزیر اعظم منتخب کر لیا ہے۔ انہیں 30 ارکان کی حمایت حاصل ہوئی جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوار مختار احمد عباسی 14 ووٹ حاصل کر سکے۔ قائم مقام صدر آزاد کشمیر چودھری طارق فاروق نے نو منتخب وزیر اعظم سے حلف لیا۔ یوں آزاد کشمیر میں حکومت سازی کا ایک اہم مرحلہ مکمل ہو گیا، لیکن یہ سمجھنا قبل از وقت ہوگا کہ سیاسی بحران ختم ہو چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وزیر اعظم کا انتخاب اختتام نہیں بلکہ ایک نئے اور زیادہ اہم مرحلے کا آغاز ہے، جہاں نئی قیادت کو سیاسی اختلافات، انتظامی کمزوریوں، معاشی مشکلات اور عوامی توقعات کا سامنا کرنا ہوگا۔

بیرسٹر افتخار گیلانی کا سیاسی سفر بھی اس انتخاب کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ عام انتخابات میں وہ مظفر آباد سے مسلم لیگ ن کے امیدوار کی حیثیت سے میدان میں اترے تھے لیکن پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوار مختار احمد عباسی سے شکست کھا گئے۔ بعد ازاں وہ ٹیکنوکریٹ کی مخصوص نشست پر قانون ساز اسمبلی کا حصہ بنے اور اب اسی اسمبلی نے انہیں وزارت عظمیٰ کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ ان کے انتخاب کے بعد یہ سوال سیاسی حلقوں میں زیر بحث آنا فطری ہے کہ عمومی نشست پر شکست کھانے والا امیدوار وزارت عظمیٰ کے منصب تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ تاہم پارلیمانی نظام میں اصل اہمیت اس امر کی ہوتی ہے کہ امیدوار اسمبلی کا رکن ہو اور اسے ایوان کی مطلوبہ اکثریت حاصل ہو۔ اس لحاظ سے ان کا انتخاب آئینی اور پارلیمانی دائرے میں آتا ہے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ماضی میں آزاد کشمیر کی سیاست میں مخصوص نشست کے ذریعے وزیر اعظم منتخب ہونے کی مثال موجود ہے۔ لہٰذا موجودہ انتخاب کو صرف اس بنیاد پر متنازع بنانے کی کوشش کہ نو منتخب وزیر اعظم عمومی نشست سے کامیاب نہیں ہوئے، شاید سیاسی طور پر تو قابل بحث ہو، مگر آئینی طور پر اس اعتراض کی حیثیت محدود ہے۔ جمہوری نظام میں انتخابات کے بعد اسمبلی کے اندر اکثریت کا فیصلہ ہی حکومت سازی کی بنیاد بنتا ہے۔

تاہم اصل سوال یہ ہے کہ بیرسٹر افتخار گیلانی اس منصب کے ساتھ انصاف کیسے کرتے ہیں۔ اقتدار حاصل کرنا سیاست کا ایک مرحلہ ہے، مگر اقتدار کو عوامی خدمت میں تبدیل کرنا اصل امتحان ہے۔ آزاد کشمیر اس وقت جن حالات سے گزر رہا ہے وہاں محض سیاسی نعروں اور رسمی اعلانات سے کام نہیں چلے گا۔

ہنگامی صورتحال

محمد سلیم

وفاقی دارالحکومت کا سب سے بڑا سرکاری طبی ادارہ پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (پمز) لاکھوں شہریوں کے لیے علاج، امید اور زندگی کا سہارا ہے۔ ایسے ادارے میں کسی بھی ہنگامی صورتحال کا پیش آنا محض ایک حادثہ نہیں بلکہ پورے انتظامی نظام کے لیے ایک بڑا امتحان ہوتا ہے، کیونکہ ہسپتال میں زیر علاج مریض اپنی حفاظت کے لیے مکمل طور پر ادارے کے نظام اور وہاں موجود طبی و انتظامی عملے پر انحصار کرتے ہیں۔ پمز کے شعبہ ؟ زچہ بچہ میں 26 اگست کو پیش آنے والا آتش زدگی کا افسوسناک واقعہ اسی اعتبار سے انتہائی تشویشناک ہے۔ وزیر اعظم کی جانب سے واقعے کی تحقیقات کے لیے قائم کی گئی کمیٹی کی عبوری رپورٹ نے جو حقائق سامنے رکھے ہیں، ان سے پمز کے انتظامی، حفاظتی اور ہنگامی نظام میں موجود کئی کمزوریوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاہم اس سانحے کو صرف ناکامی کی ایک افسوسناک داستان سمجھنے کے بجائے نظام کی جامع اصلاح کے ایک اہم موقع کے طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

ابتدائی تحقیقات کے مطابق پمز میں آتش زدگی یا کسی دوسری ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے جامع ایس او پیز اور باقاعدہ تربیتی نظام موجود نہیں تھا۔ متاثرہ وارڈ میں فائر الارم اور سپرنکلر سسٹم بھی موجود نہیں تھا، جبکہ ہسپتال کے تیرہ ایس او پیز میں صرف دو ذیلی حصوں میں آگ یا ہنگامی صورتحال کا ذکر پایا گیا۔ یہ صورتحال اس امر کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے کہ اتنے بڑے طبی ادارے میں ہنگامی حالات کے لیے وہ جامع تیاری موجود نہیں تھی جو ایک جدید ہسپتال کا بنیادی تقاضا ہونی چاہیے۔ مزید تشویش کی بات یہ ہے کہ واقعے سے صرف ایک ماہ قبل پمز کے نرسنگ ہاسٹل میں بھی آتش زدگی کا واقعہ پیش آ چکا تھا۔ اس کے باوجود اگر حفاظتی نظام میں بنیادی نوعیت کی خامیاں برقرار رہیں تو یہ محض ایک فرد یا ایک شعبے کی غفلت نہیں بلکہ ایک وسیع تر انتظامی مسئلے کی نشاندہی کرتی ہے۔

واقعے کے وقت سپروائزری عملے کی عدم موجودگی، ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے خصوصی تربیت کا فقدان اور امدادی اداروں کو اطلاع پہنچنے میں ہونے والی تاخیر ایسے معاملات ہیں جنہیں معمولی انتظامی کوتاہی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ رپورٹ کے مطابق واقعے کے وقت دو نرسیں، ایک خاتون سکیورٹی گارڈ اور ہاؤس آفیسر وارڈ میں موجود تھے۔ آگ لگنے کے تقریباً چھ منٹ بعد ایمرجنسی سروسز کو اطلاع دی گئی جبکہ ابتدائی ایمرجنسی رسپانس اس کے مزید پندرہ منٹ بعد پہنچا۔ ہسپتال جیسے حساس ادارے میں چند منٹ بھی انتہائی قیمتی ہوتے ہیں، بالخصوص اس وقت جب معاملہ نوزائیدہ بچوں یا شدید بیمار مریضوں کا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں جدید ہسپتالوں کے ہنگامی نظام میں فوری اطلاع، ابتدائی ردعمل اور مریضوں کی محفوظ منتقلی کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

یہ امر بھی سامنے آیا ہے کہ متاثرہ حصے میں آگ بجھانے کے آلات تو موجود تھے لیکن ایسا خودکار نظام موجود نہیں تھا جو دھویں یا آگ کا بروقت سراغ لگا کر فوری طور پر فعال ہو جاتا۔ دستی آلات اپنی جگہ ضروری ہیں مگر انہیں مؤثر بنانے کے لیے تربیت یافتہ عملہ بھی ناگزیر ہے۔ اگر وہاں موجود طبی عملے کو آگ بجھانے یا ہنگامی حالات سے نمٹنے کی باقاعدہ تربیت حاصل نہ ہو تو بہترین آلات بھی مطلوبہ نتائج نہیں دے سکتے۔ نوزائیدہ بچوں کی نرسری کو احتیاطاً تالہ لگایا گیا تھا لیکن مبینہ طور پر چابی رکھنے والا فرد موقع پر موجود نہیں تھا۔ یہ صورتحال اس بات کی متقاضی ہے کہ ہسپتال کے حفاظتی طریقہ ؟ کار کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور ہر ممکنہ ہنگامی صورتحال کے لیے متبادل انتظامات پہلے سے طے کیے جائیں۔

تجزیہ بی این پی کے مطابق اس واقعے کو محض چند افراد کی غفلت قرار دینا مسئلے کی اصل نوعیت کو محدود کرنے کے مترادف ہوگا۔ کسی بھی بڑے ادارے میں ایک غلطی اس وقت بڑا بحران بنتی ہے جب نظام کے اندر اس غلطی کو روکنے، بروقت شناخت کرنے اور فوری طور پر اس کا ازالہ کرنے کے لیے مناسب حفاظتی حصار موجود نہ ہو۔ پمز کے واقعے سے بھی سبق ملتا ہے کہ ادارے صرف عمارتوں، مشینری، ڈاکٹروں اور عملے سے نہیں چلتے بلکہ انہیں ایک ایسے مربوط نظام کی ضرورت ہوتی ہے جس میں ہر فرد کی ذمہ داری واضح ہو، ہر ہنگامی صورتحال کے لیے پہلے سے منصوبہ بندی موجود ہو اور ہر سطح پر جوابدہی کا مؤثر طریقہ کار کام کر رہا ہو۔ آگ لگنے کے بعد چند افراد کو مورد الزام ٹھہرا دینا شاید وقتی طور پر اطمینان دے دے، لیکن اگر نظام کی خامیاں دور نہ کی جائیں تو مستقبل میں کوئی دوسرا واقعہ دوبارہ اسی نوعیت کے سوالات کھڑے کر سکتا ہے۔

اس سانحے کا سب سے مثبت پہلو یہ ہے کہ اس کی تحقیقات شروع ہوئی ہیں اور عبوری رپورٹ کے ذریعے کئی کمزوریاں سامنے آئی ہیں۔ اب اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ رپورٹ کو محض ایک سرکاری دستاویز بنا کر فائلوں میں محفوظ نہ کیا جائے بلکہ اس کی سفارشات کو عملی اقدامات میں تبدیل کیا جائے۔ پمز میں جدید فائر الارم اور سپرنکلر نظام نصب کیا جائے، ہر وارڈ کے لیے واضح ایمرجنسی پروٹوکول مرتب ہوں، طبی اور غیر طبی عملے کی باقاعدہ فائر سیفٹی تربیت ہو، ہر شفٹ میں ذمہ دار افسر کی موجودگی یقینی بنائی جائے اور ہنگامی صورتحال میں ریسکیو اداروں سے فوری رابطے کا مؤثر نظام قائم کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وقفے وقفے سے فائر ڈرلز اور ایمرجنسی مشقیں بھی لازماً کرائی جائیں تاکہ عملہ صرف کاغذ پر نہیں بلکہ عملی طور پر بھی کسی بحران سے نمٹنے کے قابل ہو۔

تجزیہ بی این پی یہ سمجھتا ہے کہ پمز کا معاملہ صرف ایک ہسپتال کی اصلاح تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ ملک کے تمام بڑے سرکاری ہسپتالوں کے لیے ایک جامع قومی حفاظتی معیار تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ ہسپتال کی کارکردگی کا جائزہ صرف مریضوں کی تعداد، آپریشنز، بستروں یا طبی سہولیات کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھا جانا چاہیے کہ آگ، زلزلے، بجلی کے تعطل، آکسیجن سپلائی میں خرابی یا کسی دوسری ہنگامی صورتحال کے وقت مریضوں اور عملے کی حفاظت کے لیے ادارہ کس حد تک تیار ہے۔ اگر پمز میں پیش آنے والے واقعے کے بعد پورے ملک کے سرکاری ہسپتالوں کا حفاظتی آڈٹ شروع کر دیا جائے تو یہ سانحہ مستقبل میں بے شمار جانوں کے تحفظ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

پمز کا مسئلہ وسائل کی کمی سے زیادہ انتظامی صلاحیت اور جوابدہی کا مسئلہ دکھائی دیتا ہے۔ بڑے اداروں کے لیے بھاری بجٹ اور جدید عمارتیں اپنی جگہ اہم ہیں، لیکن ان وسائل کو مؤثر انداز میں استعمال کرنے کے لیے مضبوط انتظامی ڈھانچہ ضروری ہوتا ہے۔

پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان تعلقات

محمد انور سائی

پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات محض دو ریاستوں کے درمیان سفارتی روابط کا نام نہیں بلکہ یہ تاریخ، مذہب، ثقافت، باہمی اعتماد اور مشترکہ مفادات سے جڑا ہوا ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے، جس نے وقت کے نشیب و فراز میں اپنی اہمیت کو ہمیشہ برقرار رکھا ہے۔ دونوں ممالک کے عوام کے دل ایک دوسرے کے لیے احترام اور محبت کے جذبات سے معمور ہیں جبکہ قیادت کی سطح پر بھی باہمی تعاون اور شراکت داری کو مسلسل فروغ دیا جاتا رہا ہے۔ حالیہ دنوں سعودی عرب کے وزیر ماحولیات، پانی و زراعت انجینئر عبدالرحمن بن عبدالمحسن الفضلی کی وزیر اعظم محمد شہباز شریف اور چیف آف ڈیفنس فورسز فیلڈ مارشل سید عاصم منیر سے ملاقاتیں اسی دیرینہ تعلق کو ایک نئے اور زیادہ وسیع تناظر میں آگے بڑھانے کی علامت ہیں۔

وزیر اعظم محمد شہباز شریف نے سعودی وزیر سے ملاقات کے دوران پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان گہرے برادرانہ تعلقات کو اجاگر کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ دونوں ممالک تزویراتی شراکت دار ہیں اور اب وقت کا تقاضا ہے کہ دیرینہ تعلقات کو مضبوط تجارتی، معاشی، زرعی اور سرمایہ کاری شراکت داری میں تبدیل کیا جائے۔ یہ سوچ اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان تعلقات پہلے ہی دفاع، سفارت کاری اور باہمی عوامی روابط کے مضبوط ستونوں پر قائم ہیں، تاہم موجودہ عالمی معاشی منظرنامے میں اقتصادی تعاون کو ان تعلقات کا مرکزی محور بنانا دونوں ممالک کے لیے غیر معمولی فوائد کا باعث بن سکتا ہے۔

سعودی وزیر کی جی ایچ کیو میں فیلڈ مارشل سید عاصم منیر سے ملاقات بھی اسی وسیع تر شراکت داری کا اہم پہلو ہے۔ ملاقات میں دونوں ممالک کے درمیان دیرینہ تزویراتی تعلقات کو مزید مستحکم کرنے کے عزم کا اعادہ کیا گیا۔ پاکستان اور سعودی عرب کے دفاعی روابط کئی دہائیوں پر محیط ہیں اور خطے میں امن، استحکام اور سلامتی کے حوالے سے ان تعلقات کی اپنی ایک منفرد اہمیت ہے۔

پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان حالیہ مشترکہ دفاعی معاہدہ مسلم دنیا کے بدلتے ہوئے جغرافیائی اور تزویراتی ماحول میں ایک اہم پیش رفت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ اس معاہدے نے تین اہم مسلم ممالک کو دفاعی تعاون کے ایک نئے فریم ورک میں قریب لانے کے ساتھ ساتھ علاقائی امن و استحکام کے حوالے سے بھی ایک مثبت پیغام دیا ہے۔ مجوزہ معاہدے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ محض روایتی دفاعی تعاون تک محدود نہیں بلکہ اس کے وسیع تر اثرات علاقائی سفارت کاری، باہمی اعتماد اور مشترکہ سلامتی کے تصورات تک پھیل سکتے ہیں۔ موجودہ دنیا میں کسی بھی ملک کی قومی سلامتی صرف فوجی طاقت سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس میں معیشت، توانائی، سائنس، ٹیکنالوجی، غذائی تحفظ، سائبر سکیورٹی اور سفارتی قوت بھی بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس تناظر میں پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان بڑھتا ہوا تعاون ایک جامع شراکت داری کی بنیاد فراہم کر سکتا ہے۔ پاکستان کے پاس دفاعی تربیت، عسکری تجربے، انسانی وسائل اور دفاعی پیداوار کے شعبے میں وسیع صلاحیت موجود ہے۔ سعودی عرب کے پاس مضبوط مالی وسائل، توانائی کے ذخائر اور سرمایہ کاری کی غیر معمولی استعداد ہے۔۔

سوشل میڈیا کو محض تفریح

شیر خان دانش

فیلڈ مارشل سید عاصم منیر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ سوشل میڈیا پروپیگنڈے کے خلاف نوجوانوں کا مثبت اور بامعنی کردار ناگزیر ہے۔ ان کا یہ کہنا اس وقت خاص اہمیت اختیار کر گیا ہے جب دنیا بھر میں سوشل میڈیا محض رابطے اور معلومات کے حصول کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ رائے عامہ کی تشکیل، قومی بیانیوں کی ترویج اور ذہنی رجحانات پر اثر انداز ہونے کا ایک طاقتور وسیلہ بن چکا ہے۔ پاکستان جیسے نوجوان آبادی والے ملک میں اس حقیقت کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ ملک کی بڑی تعداد نوجوانوں پر مشتمل ہے اور یہی نوجوان مستقبل میں ریاستی اداروں، معیشت، سیاست، تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی اور دفاع سمیت ہر شعبے کی قیادت کریں گے۔ اگر اس نسل کو مثبت سوچ، درست معلومات، تنقیدی شعور اور قومی ذمہ داری کا احساس دیا جائے تو یہی نوجوان پاکستان کی سب سے بڑی طاقت بن سکتے ہیں، لیکن اگر انہیں بے سمتی، مایوسی اور منفی رجحانات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تو یہی صلاحیت قومی کمزوری میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔

دنیا کے ترقی یافتہ معاشروں نے نوجوانوں کی اہمیت کو بہت پہلے سمجھ لیا تھا۔ وہاں نوجوانوں کے لیے تعلیم، کھیل، تحقیق، فنی تربیت، روزگار اور تخلیقی سرگرمیوں کے وسیع مواقع پیدا کیے جاتے ہیں۔ ریاست نوجوانوں کو محض مستقبل کا شہری قرار دے کر اپنی ذمہ داری ختم نہیں کرتی بلکہ ان کی شخصیت سازی اور صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے مستقل پالیسیاں تشکیل دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان معاشروں میں نوجوان نہ صرف جدید علوم اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھتے ہیں بلکہ قومی معاملات میں بھی ذمہ دارانہ کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان میں نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد اپنی صلاحیتوں کے باوجود مناسب مواقع اور وسائل سے محروم ہے۔ تعلیمی سہولیات میں تفاوت، روزگار کے محدود مواقع، کھیل کے میدانوں کی کمی، فنی تربیت کا فقدان اور مستقبل کے بارے میں غیر یقینی صورتحال نوجوان نسل کو مختلف نوعیت کے مسائل سے دوچار کر رہی ہے۔

پاکستانی نوجوانوں کی صلاحیتوں کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ محدود وسائل کے باوجود وہ دنیا کے مختلف شعبوں میں اپنی قابلیت منوا رہے ہیں۔ طلبہ تعلیمی میدان میں کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں، نوجوان ٹیکنالوجی اور فری لانسنگ کے شعبے میں عالمی مارکیٹ تک رسائی حاصل کر رہے ہیں، کھیلوں میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے ہیں اور مختلف تخلیقی شعبوں میں اپنی شناخت بنا رہے ہیں۔ اس کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ کیا ریاست ان صلاحیتوں کو منظم قومی قوت میں تبدیل کرنے کے لیے مطلوبہ اقدامات کر رہی ہے؟ اگر اس سوال کا دیانت داری سے جائزہ لیا جائے تو جواب حوصلہ افزا نہیں۔ ہمارے ہاں نوجوانوں کو تقریروں میں قوم کا سرمایہ تو قرار دیا جاتا ہے لیکن عملی سطح پر ان کے لیے وہ وسائل اور مواقع پیدا نہیں کیے جاتے جن کے ذریعے وہ اپنی صلاحیتوں کو مکمل طور پر بروئے کار لا سکیں۔

تجزیہ: بی این پی کے مطابق نوجوانوں کو سوشل میڈیا پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنے کی تلقین اپنی جگہ درست ہے، لیکن اس کے ساتھ ریاست کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ نوجوانوں کے پاس درست معلومات تک رسائی کے ذرائع، تحقیق کی سہولت اور فکری تربیت موجود ہے یا نہیں۔ کسی نوجوان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ جھوٹ اور سچ کے درمیان فرق کرے، اس وقت تک کافی نہیں جب تک اسے یہ فرق کرنے کا شعور اور تربیت نہ دی جائے۔ آج سوشل میڈیا پر ایک خبر چند لمحوں میں لاکھوں افراد تک پہنچ جاتی ہے۔ جعلی معلومات، گمراہ کن ویڈیوز، جھوٹے دعوے، نامکمل حقائق اور جذباتی مواد نوجوان ذہنوں کو آسانی سے متاثر کر سکتے ہیں۔ اس صورتحال میں میڈیا آگاہی اور تنقیدی سوچ نوجوانوں کی بنیادی ضرورت بن چکی ہے۔

گزشتہ برس پاک بھارت کشیدگی کے دوران پاکستانی نوجوانوں نے بھارتی پروپیگنڈے کا جس مؤثر انداز میں مقابلہ کیا، وہ اس بات کی علامت ہے کہ ہماری نوجوان نسل میں صلاحیت اور قومی شعور موجود ہے۔ انہوں نے سوشل میڈیا کو محض تفریح کے لیے استعمال کرنے کے بجائے معلومات کے تبادلے اور قومی مؤقف اجاگر کرنے کے لیے بھی استعمال کیا۔ یہ تجربہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر نوجوانوں کو درست رہنمائی اور معلومات فراہم کی جائیں تو وہ کسی بھی مشکل صورتحال میں ریاست کے لیے ایک مؤثر ابلاغی قوت ثابت ہو سکتے ہیں۔ تاہم اس صلاحیت کو مستقل بنیادوں پر مضبوط بنانے کے لیے ضروری ہے کہ نوجوانوں کو جذبات کے بجائے دلیل، تحقیق اور حقائق کی بنیاد پر اپنی رائے قائم کرنے کی تربیت دی جائے۔

یہاں ایک بنیادی سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ نوجوانوں کو مثبت سرگرمیوں کی طرف کیسے راغب کیا جائے۔ اس کا جواب صرف سوشل میڈیا پر آگاہی مہم چلانے میں نہیں بلکہ نوجوانوں کے لیے عملی مواقع پیدا کرنے میں پوشیدہ ہے۔ اگر ایک نوجوان کے پاس معیاری تعلیم نہیں، کھیلنے کے لیے میدان نہیں، فنی تربیت کا موقع نہیں، روزگار کی امید نہیں اور اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے کوئی پلیٹ فارم نہیں تو اسے منفی سرگرمیوں سے دور رکھنا آسان نہیں ہوگا۔ نوجوان توانائی کا نام ہے۔ یہ توانائی کسی نہ کسی سمت ضرور استعمال ہوگی۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اسے تعمیری راستہ فراہم کرے۔

کھیل کے میدان اس حوالے سے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ صحت مند جسم صحت مند ذہن کی بنیاد بنتا ہے اور کھیل نوجوانوں میں نظم و ضبط، برداشت، ٹیم ورک، مقابلے کی مثبت روح اور قیادت جیسی خصوصیات پیدا کرتے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے شہروں میں کھیل کے میدان کم ہوتے جا رہے ہیں۔ جو میدان موجود ہیں ان میں بھی مناسب سہولیات، دیکھ بھال اور تربیت کا فقدان ہے۔ کئی علاقوں میں بچے اور نوجوان کھیلوں کے لیے مناسب جگہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں نوجوانوں کا ایک بڑا حصہ اپنا وقت غیر صحت مند سرگرمیوں میں صرف کرتا ہے۔ اگر حکومت ہر شہر اور ہر ضلع میں کھیلوں کے میدان، جمنازیم، لائبریریاں اور نوجوانوں کے لیے تخلیقی مراکز قائم کرے تو اس کے دوررس نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

تجزیہ: بی این پی یہ سمجھتا ہے کہ نوجوانوں کے مسئلے کو صرف امن و امان یا سوشل میڈیا پروپیگنڈے کے زاویے سے دیکھنا کافی نہیں۔ اس کے معاشی، تعلیمی، سماجی اور نفسیاتی پہلو بھی ہیں۔ ایک بے روزگار نوجوان، ایک ایسا طالب علم جو معیاری تعلیم سے محروم ہے، یا ایک ایسا نوجوان جس کے پاس اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہیں، منفی پروپیگنڈے کے لیے نسبتاً زیادہ آسان ہدف بن سکتا ہے۔ اس لیے ریاست کو نوجوانوں کے لیے ایسا جامع نظام تشکیل دینا ہوگا جس میں تعلیم کے ساتھ ہنر، کھیل، روزگار، تحقیق اور کردار سازی کو بھی اہمیت حاصل ہو۔

نوجوانوں کو ملک دشمن عناصر کے پروپیگنڈے سے محفوظ رکھنے کے لیے بھی محض سخت اقدامات کافی نہیں ہوں گے۔ کسی بھی پروپیگنڈے کا سب سے مؤثر جواب باشعور شہری ہے۔ اگر نوجوان معلومات کی تصدیق کرنا جانتا ہو، مختلف ذرائع سے خبر کا موازنہ کر سکتا ہو، جذباتی مواد سے متاثر ہونے کے بجائے دلیل کو ترجیح دیتا ہو اور قومی معاملات کو وسیع تناظر میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اسے گمراہ کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اس کے لیے تعلیمی اداروں میں جدید میڈیا آگاہی، ڈیجیٹل اخلاقیات اور تنقیدی سوچ کو نصاب اور تربیتی سرگرمیوں کا حصہ بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ والدین، اساتذہ، علما، دانشوروں، میڈیا اور ریاستی اداروں کو بھی اپنی ذمہ داری ادا کرنا ہوگی۔ نوجوانوں کو صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ وہ سوشل میڈیا کا غلط استعمال نہ کریں۔ انہیں یہ بھی بتایا جانا چاہیے کہ سوشل میڈیا کو مثبت مقاصد کے لیے کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔

جعلی یا بے نامی ذرائع

محمد غنی خان

پاکستان کی معیشت کو درپیش بحران محض مالیاتی خسارے، بجٹ کے دباؤ یا بیرونی قرضوں کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کے پس پردہ ایک ایسا پیچیدہ اور فرسودہ نظام بھی کارفرما ہے جس نے برسوں سے ٹیکس چوری، سمگلنگ، منی لانڈرنگ، غیر قانونی کاروبار، بدعنوانی اور معاشی عدم مساوات کو پنپنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ وزیر اعظم محمد شہباز شریف کی جانب سے ٹیکس چوری، سمگلنگ اور غیر قانونی کاروبار کے خلاف کارروائیاں تیز کرنے اور ایف بی آر میں اصلاحات مقررہ مدت کے اندر مکمل کرنے کی ہدایات بلاشبہ اہم ہیں، تاہم ان ہدایات کی اصل کامیابی اس وقت سامنے آئے گی جب انہیں محض سرکاری اجلاسوں اور اعلانات تک محدود رکھنے کے بجائے عملی نتائج میں تبدیل کیا جائے گا۔ پاکستان کو آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ نئے قرضے یا محض نئے ٹیکس نہیں بلکہ ریاستی نظام کی ایسی بنیادی اصلاح ہے جو قانون کی یکساں عمل داری، معاشی انصاف اور قومی وسائل کے منصفانہ استعمال کو یقینی بنا سکے۔

تجزیہ بی این پی کے مطابق پاکستان کا ٹیکس مسئلہ صرف یہ نہیں کہ کتنے لوگ ٹیکس ادا کرتے ہیں بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ ریاست ٹیکس کس سے وصول کرتی ہے، کس پر کتنا بوجھ ڈالتی ہے اور کن طبقات کو مسلسل ٹیکس نظام سے باہر رہنے کی گنجائش فراہم کرتی ہے۔ ایک طرف تنخواہ دار طبقہ اپنی محدود آمدنی سے براہ راست ٹیکس ادا کرتا ہے، خریداری کے وقت بالواسطہ ٹیکس دیتا ہے، بجلی، گیس اور پٹرول کی قیمتوں میں مختلف محصولات برداشت کرتا ہے اور مہنگائی کی صورت میں اس کی قوت خرید مزید کم ہو جاتی ہے، دوسری طرف معیشت کے بڑے حصے ایسے بھی ہیں جہاں حقیقی آمدنی، کاروباری حجم، اثاثوں اور ٹیکس ادائیگیوں کے درمیان واضح تفاوت موجود ہے۔ یہی تفاوت عوام کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ معاشی بوجھ یکساں طور پر تقسیم نہیں کیا جا رہا۔

ایک منصفانہ ریاست کا بنیادی اصول یہی ہوتا ہے کہ جس کی آمدنی زیادہ ہو، وہ قومی خزانے میں اپنی استطاعت کے مطابق زیادہ حصہ ڈالے۔ لیکن اگر محدود آمدنی رکھنے والا شہری باقاعدگی سے ٹیکس ادا کرتا رہے اور وسیع کاروباری سرگرمیوں، بڑے اثاثوں اور غیر معمولی آمدنی رکھنے والے عناصر اپنی اصل معاشی حیثیت چھپانے میں کامیاب ہو جائیں تو اس نظام کو نہ منصفانہ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ پائیدار۔ پاکستان میں ٹیکس اصلاحات کی سب سے بڑی آزمائش یہی ہے کہ حکومت ٹیکس کا دائرہ ان طبقات تک وسیع کرے جو اپنی حقیقی استطاعت کے باوجود قومی ذمہ داری پوری نہیں کر رہے۔

ملکی معیشت میں طاقتور طبقات کی غیر معمولی گرفت بھی اصلاحات کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ ریاستی وسائل، زمین، سرکاری مراعات، لائسنس، ٹھیکے، قرضے، ٹیکس رعایتیں اور پالیسی سازی کے مواقع اگر ایک محدود طبقے تک محدود ہو جائیں تو معاشی مقابلہ ختم ہونے لگتا ہے۔ پھر کامیابی کا انحصار قابلیت، محنت اور جدت کے بجائے تعلقات، سیاسی اثر و رسوخ اور طاقت پر ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ ماحول ہے جسے معاشی اصطلاح میں ایلیٹ کیپچر کہا جاتا ہے۔ اس صورتحال میں عام کاروباری شخص قانون کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے باوجود غیر مساوی مقابلے کا سامنا کرتا ہے جبکہ بااثر عناصر مراعات اور مختلف راستوں کے ذریعے اپنی پوزیشن مزید مضبوط کرتے رہتے ہیں۔

ٹیکس چوری، سمگلنگ، منی لانڈرنگ، رشوت اور اقربا پروری کو بھی اسی وسیع تر معاشی پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ الگ الگ جرائم ضرور ہیں لیکن ان کے درمیان ایک مضبوط معاشی تعلق موجود ہے۔ غیر قانونی طریقے سے حاصل ہونے والی دولت کو چھپایا جاتا ہے، مختلف ذرائع سے منتقل کیا جاتا ہے، جعلی یا بے نامی ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں اور بالآخر اسے جائیداد، کاروبار یا دیگر اثاثوں کے ذریعے قانونی معیشت میں شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس پورے عمل کے خلاف مؤثر کارروائی کے لیے صرف چھاپے، گرفتاریاں یا مقدمات کافی نہیں بلکہ ریاست کو غیر قانونی دولت کے پورے سفر کا سراغ لگانے کی صلاحیت پیدا کرنا ہوگی۔

ایف بی آر میں اصلاحات اسی لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ تاہم اصلاحات کا مطلب صرف ٹیکس کی شرح بڑھانا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہر مالی سال میں محصولات بڑھانے کے لیے پہلے سے ٹیکس ادا کرنے والے طبقے پر مزید بوجھ ڈال دیا جائے تو اسے اصلاح نہیں کہا جا سکتا۔ حقیقی اصلاح یہ ہے کہ ٹیکس بیس وسیع کیا جائے، نئے ٹیکس دہندگان کو نظام میں شامل کیا جائے، ٹیکس انتظامیہ کو جدید خطوط پر استوار کیا جائے، کرپشن اور غیر ضروری مداخلت کا خاتمہ کیا جائے اور جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے ٹیکس چوری کی نشاندہی کی جائے۔

آج ریاست کے پاس شہریوں اور کاروباری اداروں کے بارے میں پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ معلومات موجود ہیں۔ جائیدادوں کا ریکارڈ، گاڑیوں کی رجسٹریشن، بینکنگ سرگرمیاں، درآمدات و برآمدات، کاروباری لین دین اور دیگر معاشی معلومات اگر ایک مربوط نظام کے ذریعے استعمال کی جائیں تو ٹیکس چوری کے بڑے امکانات کو بروقت شناخت کیا جا سکتا ہے۔ جس شخص کی ظاہر کردہ آمدنی معمولی ہو لیکن اس کے اثاثے، کاروباری سرگرمیاں اور اخراجات اس کے برعکس تصویر پیش کرتے ہوں، وہاں ریاست کے پاس سوال اٹھانے اور وضاحت طلب کرنے کا مؤثر نظام ہونا چاہیے۔ یہی جدید ٹیکس انتظامیہ کا بنیادی تقاضا ہے۔

تاہم اس عمل میں شہری آزادیوں، رازداری اور قانونی تقاضوں کا بھی مکمل احترام ضروری ہے۔ ڈیجیٹل نظام کو ٹیکس چوری کے خلاف استعمال کیا جائے لیکن اسے عام شہریوں کے لیے غیر ضروری ہراسانی کا ذریعہ نہ بننے دیا جائے۔ ٹیکس دہندگان کو سہولت، واضح قوانین، شفاف طریقہ کار اور اپیل کا مؤثر حق ملنا چاہیے۔ ایک ایسا نظام جس میں ٹیکس دہندہ خود کو ریاست کا شراکت دار محسوس کرے، زیادہ کامیاب ثابت ہوتا ہے بنسبت اس نظام کے جس میں ہر کاروباری شخص خود کو ریاستی اداروں کے خوف میں مبتلا محسوس کرے۔

سمگلنگ کے خلاف کارروائی بھی اسی جامع حکمت عملی کا تقاضا کرتی ہے۔ سمگلنگ صرف قومی خزانے کو محصولات سے محروم نہیں کرتی بلکہ قانونی کاروبار کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔ جو تاجر قانونی طریقے سے درآمدی ڈیوٹی، ٹیکس اور دیگر اخراجات ادا کرتا ہے وہ اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو غیر قانونی راستے سے کم قیمت پر اشیا مارکیٹ میں پہنچا دیتا ہے۔ اس طرح قانون پسند کاروباری طبقہ سزا پاتا ہے اور غیر قانونی نیٹ ورک مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے سمگلنگ کے خلاف کارروائی سرحدی علاقوں تک محدود رکھنے کے بجائے پوری سپلائی چین پر نظر رکھنا ہوگی۔ کسٹمز، ایف بی آر، قانون نافذ کرنے والے اداروں، بینکنگ نظام اور انتظامیہ کے درمیان مؤثر رابطہ قائم کیے بغیر بڑے سمگلنگ نیٹ ورکس کو توڑنا مشکل ہوگا۔

چیف ایڈیٹر و پبلشر عارف محمود درانا نے الکریم پرنٹنگ پریس کوئٹہ سے چھپوا کر دفتر 10-9/1599 نیو نیچاری سمنگلی روڈ کوئٹہ سے شائع کیا

HARB E BAQA حرب بقا
www.harbebaqa.com | harbebaqa@gmail.com | +923168199049 | +923458151100 | Harb E Baqa | dailyharbebaqa | HB NEWS TV | HARBEBAQA
اخبار اور تازہ ترین خبریں ملیں اب

بقیہ 1

ہوئے۔صومالی وزارت دفاع کی جانب سے جاری کردہ ایک بیان کے مطابق، 10 روزہ آپریشن کے دوران قزاقوں کے زیر استعمال 4 کشتیاں تباہ کی گئیں اور 14 قزاقوں کو ہلاک کیا گیا اور مسلسل فوجی دباؤ نے بالآخر باقی ماندہ قزاقوں کو جہاز چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ فورسز نے کارروائی کے بعد MV LATUF نامی جہاز کا کنٹرول سنبھال کر اسے محفوظ بنا لیا ہے، جس نے اب بحفاظت اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا ہے۔صومالیہ کی نیم خودمختار ریاست پنٹ لینڈ کے ذرائع کے مطابق جہاز پر عملے کے کم از کم 18 ارکان سوار تھے جن میں ایک ترک شہری بھی شامل تھا۔ میرین ٹریفک ویب سائٹ کا ڈیٹا ظاہر کرتا ہے کہ کیمرون کے جھنڈے تلے آپریٹ کرنے والا یہ جہاز جولائی کے اواخر میں ترکیے سے تنزانیہ کی بندرگاہ دارالسلام کے لیے روانہ ہوا تھا۔ بین الاقوامی میڈیا رپورٹس کے مطابق اس جہاز پر ترک ہتھیار لدے ہوئے تھے تاہم رابطہ کرنے پر صومالیہ کے حکام یا پنٹ لینڈ انتظامیہ نے ان خبروں کی تصدیق یا تردید نہیں کی۔ ترکیے اور صومالیہ کا یہ مشترکہ آپریشن دونوں ممالک کے درمیان طے پانے والے دفاعی تعاون کے معاہدے کے تحت کیا گیا۔

بقیہ 2

سپرنٹنڈنٹس، چیف ایگزیکٹو آفیسرز، ایگزیکٹو ڈائریکٹرز، پرنسپل بولان میڈیکل کالج اور دیگر متعلقہ افسران نے شرکت کی۔ اجلاس کے دوران بلوچستان ہیلتھ انفارمیشن اینڈ سروس ڈیلیوری یونٹ کے صوبائی کوآرڈینیٹر ڈاکٹر ابابکر بلوچ نے AiFRAMS کے ذریعے مرتب کردہ حاضری، غیر حاضری اور ادارہ جاتی تعمیل سے متعلق جامع رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ میں مختلف ہسپتالوں اور دفاتر کی کارکردگی کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا۔وزیر صحت بخت محمد کاکڑ نے غیر حاضر ملازمین اور باقاعدگی سے AiFRAMS پر حاضری درج نہ کرنے والے اہلکاروں کے خلاف بلاامتیاز سخت کارروائی کی ہدایت کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ کسی بھی ملازم کی تنخواہ AiFRAMS پر تصدیق شدہ حاضری کے بغیر جاری نہ کی جائے اور متعلقہ اداروں کے سربراہان ماہانہ تنخواہوں کی تیاری کے دوران ڈیجیٹل حاضری کے ریکارڈ پر مکمل عمل درآمد یقینی بنائیں۔ وزیر صحت نے کہا کہ سرکاری ہسپتالوں میں طبی عملے کی بروقت موجودگی، موثر نگرانی اور عوام کو بلاتعطل طبی سہولیات کی فراہمی حکومت بلوچستان کی اولین ترجیح ہے۔ فرائض سے غفلت، غیر حاضری اور ڈیجیٹل حاضری کے نظام سے دانستہ اجتناب کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے تمام اداروں کے سربراہان کو ہدایت کی کہ AiFRAMS پر سو فیصد عمل درآمد یقینی بنایا جائے اور عدم تعمیل کی صورت میں ملازم کے ساتھ متعلقہ انتظامی افسر کی ذمہ داری بھی متعین کی جائے۔

بقیہ 3

سرمایہ کاری میں تعاون بڑھانے، جبکہ آئندہ دو سال کے دوران سعودی عرب کو پاکستانی زرعی و غذائی برآمدات 3 ارب ڈالر تک لے جانے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان زرعی تعاون کے مشترکہ اعلامیے کے مطابق چاول، سرخ گوشت، پھل، کنسٹرس اور سبز چارہ ترجیحی شعبے قرار دیے گئے ہیں، دونوں ممالک نے پانی کے موثر استعمال پر مبنی جدید زرعی ٹیکنالوجیز، آب پاشی اور چھوٹے کاشتکاروں کے لیے پروگرامز میں تعاون بڑھانے پر بھی اتفاق کیا۔ اعلامیہ میں کہا گیا کہ سعودی عرب نے پاکستان سے چاول کی درآمد مزید بڑھانے میں دلچسپی ظاہر کی ہے، پاکستان نے 2025 میں سعودی عرب کو تقریباً 169 ہزار ٹن چاول برآمد کیے، جن کی مالیت تقریباً 163 ملین [illegible]

بقیہ 4

[illegible]

داری کو مزید مضبوط اور گہرا کرنے کے عزم پر ثابت قدم ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کرے کہ پاکستان اور ترکیہ کے درمیان دائمی دوستی اور بھائی چارے کے رشتے آنے والی نسلوں تک اسی طرح پھلتے پھولتے رہیں۔

بقیہ 5

افراد کی شناخت رحمت اللہ، درانی اور رحمت اللہ پسران سلطان کے نام سے ہوئی ہے جب کہ زخمی ہونے والے شخص کا نام عتیق اللہ ولد مولود یہ نیک محمد ہے۔ واقعے کے حوالے سے ایس ایچ او دکی منصور احمد بزدار کا کہنا ہے کہ دھماکا ندی میں اس وقت ہوا، جب ایک گاڑی وہاں سے گزر رہی تھی۔ ایس پی نے مزید بتایا کہ جاں بحق ہونے والے افراد اپنی گاڑی میں زمینداری کے سلسلے میں جا رہے تھے کہ گاڑی آئی ای ڈی سے ٹکرا گئی۔ پولیس کے مطابق جاں بحق اور زخمی افراد کو فوری طور پر ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے، جبکہ واقعے کے بعد علاقے میں سرچ آپریشن شروع کر دیا گیا ہے۔

بقیہ 6

امر پر اعتماد کا اظہار کیا کہ دونوں ممالک کے درمیان قریبی اور برادرانہ تعلقات مزید فروغ پاتے رہیں گے۔ صدر مملکت نے صدر رجب طیب اردوان اور ترک عوام کے لیے مسلسل امن، خوشحالی اور کامیابی کی دعا کی۔

بقیہ 7

سے عملی طور پر خالی دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب ملک پر عائد امریکی بحری ناکہ بندی باعث ایرانی جہازرانی اور تجارت کو شدید پابندیوں کا سامنا ہے۔ رجائی بندرگاہ ایران کی اہم ترین تجارتی بندرگاہوں میں سے ایک ہے جو اشیا کی آمد و رفت اور برآمدات میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے یہاں کی سرگرمیوں کا معیار ملک میں بحری تجارت کی صورتحال کا ایک اہم اشاریہ بن جاتا ہے۔ یہ پیش رفت ان امریکی اقدامات کے سایہ میں سامنے ہوئی جن کا مقصد ایران کی بین الاقوامی ترسیل اور شپنگ نیٹ ورکس کو استعمال کرنے کی صلاحیت کو محدود کرنا ہے۔ امریکی اقدامات میں پابندیوں کی زد میں آنے والے ایرانی شعبوں کے ساتھ تعاون کرنے والے جہازوں اور اداروں کا تعاقب کرنا شامل ہے جو بحری تجارت کی نقل و حرکت پر اضافی دباؤ کا باعث بن رہا ہے۔ رجائی بندرگاہ بندر عباس کے قریب اور آبنائے ہرمز کے قریب واقع ہے۔ یہ بندرگاہ ایرانی تجارت کا سب سے نمایاں بحری گیٹ وے ہے کیونکہ اس کے ذریعے کنٹینرز، اشیا اور در آمد و برآمد کی جانے والی اشیا کا ایک بڑا حصہ گزرتا ہے۔ فروری کے آخر میں ایران پر پہلی امریکی اور اسرائیلی حملوں کے ساتھ جنگ چھڑنے کے بعد سے ایران نے عملی طور پر آبنائے ہرمز کو بند کر دیا ہے۔ اس آبنائے سے عام طور پر دنیا کی خام تیل اور ایل این جی کی پیداوار کا پانچواں حصہ گزرتا ہے۔ جواب میں امریکہ نے ایرانی بندرگاہوں کی بحری ناکہ بندی کر دی ہے۔

بقیہ 8

بھٹو زرداری کی شادی کی تاریخ مقرر کرنے لیختن شٹائن پہنچے ہیں، آصف علی زرداری کے ہمراہ خاندان کے دیگر افراد بھی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ذرائع نے دعویٰ کیا کہ لڑکی کا تعلق لیختن شٹائن کے دارالحکومت وادوز سے ہے اور بلاول بھٹو زرداری کی شادی کی تقریب رواں سال کے آخر میں متوقع ہے۔ لیختن شٹائن مغربی یورپ میں سوئٹزر لینڈ اور آسٹریا کے درمیان واقع ایک چھوٹا اور خوبصورت خودمختار ملک ہے جس کا دارالحکومت وادوز ہے۔ دوسری جانب سینیٹر کراچی مرتضیٰ وہاب نے چیئرمین پیپلز پارٹی بلاول بھٹو زرداری کی منگنی یا شادی سے متعلق خبروں کی تردید کی ہے۔ چیئرمین پیپلز پارٹی بلاول بھٹو زرداری کی شادی کی سوشل میڈیا افواہوں [illegible]

بقیہ 9

[illegible]

بقیہ 10

[illegible]

بقیہ 11

[illegible]

بقیہ 12

[illegible]

بقیہ 13

[illegible] تاہم صورتحال کا اصل بوجھ امریکی صارفین اٹھا رہے ہیں۔

بقیہ 14

خصوصی انٹرویو میں کہا کہ گزشتہ برسوں میں شنگھائی تعاون تنظیم نے کامیابی سے باہمی اعتماد کا ایک ماحول تشکیل دیا ہے، اور مشاورت کے ذریعے مساوات اور باہمی احترام پر مبنی ایک مکالماتی نظام وضع کیا ہے۔ مختلف خصوصیات اور مؤقف رکھنے والے ممالک نے ایک ساتھ مل کر کام کرنا سیکھا ہے، اور سب سے پیچیدہ مسائل پر اتفاق رائے حاصل کیا ہے جو ان کے خیال میں، برسوں میں تعاون کے ذریعے حاصل ہونے والے اہم ترین نتائج میں سے ایک ہے۔ یرمیک بائیف نے کہا کہ دوسرا اہم نتیجہ یہ ہے کہ ایس سی او نے وسیع شعبوں میں کثیر سطحی تعاون کا ایک منفرد میکانزم قائم کر لیا ہے۔ بڑھتی ہوئی ایس سی او فیملی کے بارے میں انہوں نے کہا کہ شنگھائی تعاون تنظیم ملک کے بڑے یا چھوٹے ہونے، معیشت کے طاقتور یا کمزور ہونے کی بنیاد پر ممالک کو تقسیم نہیں کرتی بلکہ تمام ممالک کو مساوی حیثیت حاصل ہے۔ یہی ایس سی او کی قدر اور کشش ہے۔ سیکرٹری جنرل ایس سی او یرمیک بائیف نے کہا کہ گزشتہ سال تھیان جن سربراہی اجلاس نے ایس سی او کی اعلیٰ معیار کی ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ چین کے صدر شی جن پھنگ نے گلوبل گورننس انیشی ایٹو پیش کیا، جسے بین الاقوامی برادری نے تیزی سے قبول کر لیا اور سراہا۔ انہوں نے کہا کہ گلوبل گورننس انیشی ایٹو انتہائی اہمیت اور گہرے اثرات کا حامل اور وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس اقدام کے اصول، اقدار اور اہداف بہت سی جہتوں میں شنگھائی تعاون تنظیم اور شنگھائی اسپرٹ کے اصولوں، اہداف اور اقدار کے ساتھ گہری ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں، اس اقدام کی بنیاد انسان کی مرکزیت ہے، یعنی عوام اور عوام کے مفادات، زندگی اور صحت کو مرکزی حیثیت دی جاتی ہے۔ شنگھائی تعاون تنظیم کی بنیاد بھی یہی ہے۔ اسی لیے ایس سی او کے تمام رکن ممالک نے اس اقدام کی حمایت کی ہے۔

بقیہ 15

دا انسٹی ٹیوٹ آف ماؤنٹین ہیزرڈز اینڈ انوائرمنٹ کی برفانی خطے سے متعلق ہنگامی امدادی ٹیم نے ریموٹ سینسنگ نگرانی کے ڈیٹا اور جائے وقوعہ سے بھیجی گئی تصاویر کا تجزیہ کرنے، اور زمینی معائنے و انٹرویوز کے بعد مجموعی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ: بیجنگ وقت کے مطابق اگست کو صبح پانچ بج کر منٹ کے لگ بھگ، نیپال کی حدود میں لانگ تانگ لی رینگ چوٹی کی شمالی ڈھلوان پر ایک گلیشیئر میٹر کی بلندی پر ٹوٹا اور برفانی تودے کی شکل میں اونچائی سے تیزی سے گرتا ہوا میٹر کے قریب پہنچا، جہاں پہاڑی ڈھلانوں کو بہا کر اس نے ایک بڑے وسیع پہاڑی سیلاب کی شکل اختیار کر لی اور تقریباً کلومیٹر تک تیز رفتاری سے بہتا ہوا میٹر کی بلندی پر واقع چین کے گیرونگ بندرگاہی علاقے تک پہنچا۔ اس شدید سیلاب کے نتیجے میں اس علاقے کا تقریباً صفر اعشاریہ سات مربع کلومیٹر حصہ، عمارتیں اور متعلقہ ضمنی سہولیات زیر آب آ گیا۔ اجلاس میں بتایا گیا کہ یہ تباہی طویل عرصے سے جاری موسمیاتی حدت کے باعث گلیشیئر کے غیر مستحکم ہونے کی وجہ سے آئی۔ یہ آفت اچانک رونما ہوئی، اس سیلاب کا بہاؤ بہت زیادہ تھا، رفتار تیز تھی، جبکہ اس کی تباہ کاری اور متاثرہ علاقے کا دائرہ بھی وسیع تھا۔ یہی وہ نمایاں وجوہات ہیں جو اب چھنگ ہائی۔تبت سطح مرتفع اور اس کے گرد و نواح میں فریزنگ سرکل کی آفات کی صورت میں سامنے آ رہی ہیں۔ نگرانی سے پتہ چلا ہے کہ گلیشیئر کے ٹوٹنے سے لے کر چین کے گیرونگ بندرگاہی علاقے تک پہنچنے میں تقریباً منٹ لگے۔ تجزیے کے مطابق، اس آفت کے بعد کی امدادی کارروائیوں میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ عارضی بند ہے جو سرحدی دروازے کے مرکزی علاقے کے اوپر ہے۔ یہ بند اب پانی سے بھر چکا ہے اور آہستہ آہستہ پانی چھوڑ رہا ہے۔ فی الحال مجموعی طور پر اس کی صورتحال مستحکم ہے، اور اس کے مکمل ٹوٹنے کا امکان کم ہے۔ آفت کے بعد شی زانگ نے فوری طور قدرتی آفت کی لیول ون ایمرجنسی ریسپانس اور لیول ون امدادی ریسپانس کا آغاز کیا، اور ہنگامی امدادی کمانڈ اور فرنٹ لائن کمانڈ قائم کی۔ وزارت خزانہ اور وزارت ایمرجنسی مینجمنٹ نے فوری طور پر کروڑ یوآن اور قومی ترقی و اصلاحاتی کمیشن نے کروڑ یوآن مختص کیے تاکہ امدادی کاموں اور آفت کے بعد کی ہنگامی بحالی کے امور میں مدد کی جا سکے۔ فی الوقت پیپلز لبریشن آرمی، مسلح پولیس، چائنا فائر اینڈ ریسکیو، سرحدی محافظ، پبلک سیکورٹی اور چائنا آن تنگ گروپ سمیت مختلف امدادی قوتوں کے اہلکار امدادی کاموں میں مصروف ہیں، امدادی گاڑیاں اور امدادی آلات کے سکس فرنٹ لائن میں سرچ اینڈ ریسکیو میں استعمال ہو رہے ہیں۔ اب زمینی، آبی اور فضائی، تینوں راستوں سے پیش قدمی کرتے ہوئے متاثرہ مرکزی علاقے تک پہنچا جا رہا ہے۔

بقیہ 16

روزگار کے مواقع میسر آئیں اور وہ قومی دھارے میں موثر کردار ادا کر سکیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے حلقہ این اے 97 کے دورے کے موقع پر مختلف شعبوں سے وابستہ شخصیات سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ ہمایوں اختر خان نے لنڈو چوک میں واقع سیاسی دفتر میں بھی علاقہ عمائدین سے ملاقات کی اور حلقے کی عوام کو درپیش مسائل کے حوالے سے تبادلہ خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ این اے 97 کے عوام سے ہمارا دیرینہ اور مضبوط تعلق ہے جس میں کوئی دراڑ نہیں ڈال سکتا۔ حلقے کے عوام بخوبی آگاہ ہیں کہ دہائیوں سے یہاں سے منتخب ہونے والے نام نہاد نمائندوں نے دوبارہ پلٹ کر ان کی حالت زار تک معلوم نہیں کی، یہی لوگ حلقے کی محرومیوں کے ذمہ دار ہیں۔ ہمایوں اختر خان نے کہا کہ ہم نے حلقے کے دیرینہ مسائل کے حل کیلئے ہر فورم پر آواز اٹھائی ہے، جس کے مثبت نتائج

بقیہ 17

[illegible]

بقیہ 18

سزا کی مدت پوری ہونے کے بعد اسے ملک بدر کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ فیصلہ بحرینی اخبار کی شائع کردہ خبر کے مطابق پیدائش کے سرٹیفکیٹ میں جعل سازی کرنے اور بحرینی شہریوں کے لیے مخصوص مراعات حاصل کرنے کے لیے سرکاری دستاویزات کے استعمال کا جرم ثابت ہونے پر سامنے آیا۔ اخبار کے مطابق کیس کی تفصیلات 1983 کی ہیں جب 1979 میں ایشیائی پاسپورٹ پر ملازمت کے لیے بحرین میں داخل ہونے والے ملزم نے اپنا نام، تاریخ پیدائش اور والدہ کی تفصیلات تبدیل کر کے پیدائش کا جعلی سرٹیفکیٹ بنایا۔ پھر اس کا استعمال متعلقہ حکام کے سامنے کر کے بحرینیوں کے لیے مخصوص ورک کارڈ، شناخت کا نوٹس اور دیگر سرکاری دستاویزات حاصل کیں۔ ملزم نے دو مختلف ناموں سے دو پرسنل نمبرز حاصل کیے اور جعل سازی پر مبنی ڈیٹا کا استعمال کرتے ہوئے دو ڈرائیونگ لائسنس جاری کرائے جن میں سے ایک "بغیر شہریت" کی حیثیت سے تھا اور وہ سالوں تک ان دستاویزات کا استعمال کرتا رہا۔ جنرل اتھارٹی فار سوشل انشورنس کی شہادت کے مطابق ملزم 1983 سے ایک بحرینی بیمہ شدہ شخص کے طور پر رجسٹرڈ تھا اور اس کی انشورنس سروس کی مدت 31 سال تک پہنچ گئی جس کی بنا پر وہ پنشن کا حقدار بنا اور اس نے سروس ختم ہونے کے الاؤنس بھی حاصل کر لیا۔ یہ واقعہ پاسپورٹ کے ڈائریکٹوریٹ جنرل کے سرچ اینڈ فالو اپ ڈیپارٹمنٹ کو ملزم کے مختلف نام اور ڈیٹا استعمال کرنے کی معلومات ملنے کے بعد بے نقاب ہوا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ وہ قانونی طور پر مختلف حیثیتوں والے دو پرسنل نمبر رکھتا ہے۔ اس کے بعد ملزم کو گرفتار کر لیا گیا اور اس نے پبلک پروسیکیوشن کی تحقیقات کے دوران جعل سازی کرنے اور بحرینی شہریوں کو ملنے والی مراعات کے حصول کے لیے پیدائش کے سرٹیفکیٹ کو استعمال کرنے کا اعتراف کیا۔ ملزم نے جعلی سرکاری دستاویزات کا علم رکھتے ہوئے بھی ان کا استعمال کیا جن میں پیدائش کا سرٹیفکیٹ، ورک کارڈ، پاپولیشن رجسٹر کارڈ، شناخت جاری کرنے کا نوٹس اور دو ڈرائیونگ لائسنس شامل تھے۔ ان میں نام، پرسنل نمبر اور بغیر شہریت کی قانونی حیثیت کے بارے میں غلط معلومات درج تھیں اور اس نے یہ دستاویزات دوسروں کے سامنے پیش کیں اور ان کی صحت کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کا سہارا لیا۔

بقیہ 19

قیادت کے لیے مشکل فیصلہ تھا لیکن فیصلہ افتخار گیلانی کے حق میں ہوا، اس فیصلے سے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی گئی۔ رانا ثناء اللہ نے کہا کہ شاہ غلام قادر پارٹی کے صدر ہیں، وہ ہر قیمت پر ساتھ رہیں گے، انہیں اور راجا فاروق حیدر کو ٹیم میں شامل کریں گے۔ یاد رہے کہ مسلم لیگ ن کے افتخار گیلانی آزاد کشمیر کے 17 ویں وزیراعظم منتخب ہوئے ہیں، انہوں نے 30 ووٹ حاصل کیے جبکہ پیپلز پارٹی کے سردار مختار خان نے 14 ووٹ حاصل کیے۔ افتخار گیلانی پہلی بار 2011 میں منتخب ہو کر آزاد کشمیر کی قانون ساز اسمبلی میں پہنچے تھے، افتخار گیلانی آزاد کشمیر کے وزیر تعلیم بھی رہ چکے ہیں، اس بار وہ ٹیکنوکریٹ سیٹ سے اسمبلی میں پہنچے ہیں۔

بقیہ 20

سمجھ سے بالاتر منطق ہے جب باغات مالکان خود اپنے آپ کا تحفظ نہیں کر سکتے ہیں تو فورسز پر حملہ کسی کے باغ سے واردات ہو جائے تو مالک قصوروار کیسے ٹھہرایا جاتا ہے۔ کسی کو سہولت کار قرار دینے سے بلوچستان کے امن مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ سہولت کار قرار دینے سے عوام کو اپنے جائیدادوں سے جبری طور پر بے دخل کرنے کا منصوبہ ہے کسی کو اپنے جائیدادوں سے بے دخل کرنا ناقابل قبول ہے۔ یہ صدیوں سے اپنے زمینوں پر آباد ہیں اب منصوبے کے تحت مقامی آبادی کو سہولت کار قرار دے کر ان کی آبائی جائیدادوں کی چھیننے کی کوشش ہے۔ آئین کے تحت ہر شہری کی جان، مال اور عزت کی حفاظت ریاست کی پہلی اور اہم ترین ذمہ داری ہے۔ دہشت گردی کا خاتمہ کرنا سکیورٹی اور انٹیلی جنس اداروں کا کام ہے۔ بے گناہوں کو ہراساں نہ کرے۔ سکیورٹی کی ناکامی کا ملبہ عام عوام پر ڈالنا ریاست کی اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی کے مترادف ہے۔ اس قسم کے اقدامات سے عوام اور اداروں کے درمیان مزید دوریاں اور عدم اعتماد بڑھتا ہے۔ کوئی بھی مقامی زمیندار یا مالکان اپنی حدود کو ریاست مخالف گروہ کو اپنے مرضی سے پناہ گاہ نہیں دیتے ہیں اگر زبردستی کوئی داخل ہو تو باغ کے مالک کو قصوروار کیسے ٹھہرا سکتے ہوں انہوں نے کہا کہ حکومت کی نااہلی سے بلوچستان نو گو ایریا بن چکے ہیں۔ محرومیوں نے بلوچستان کو بدامنی، احساس کمتری اور عدم استحکام کی اس نہج پر لا کھڑا کیا ہے جہاں ترقی کے دعوے اور کھوکھلی تسلیاں اپنا اثر کھو چکی ہیں۔ پورے صوبے میں کہیں بھی حکومت کی رٹ دکھائی نہیں دیتی۔ عوام کی عزتیں مال و جان سب کچھ داؤ پر لگ چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کی حالات پر غیر سنجیدہ فیصلوں نے ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے امن و امان کے نام پر اربوں روپے خرچ ہونے کے باوجود بدامنی حکومت کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے حکومت صرف ورکشاپ اور بلند بانگ دعوؤں [illegible] کارکردگی کو نہیں چھپا سکتی ہے۔

بقیہ 21

پریس ریلیز میں وفاقی بورڈ آف ریونیو (ایف بی آر) اور پاکستان کسٹمز کی جانب سے برآمدی سہولت اسکیم کے تحت گریج فیبرک کی درآمد سے متعلق خدشات کے ازالے کے لیے کیے گئے اقدامات کو تسلیم کیا گیا۔ اپٹما کے مطابق SRO 1435(I)/2025 کے تحت گریج فیبرک کو مذکورہ اسکیم سے خارج کر دیا گیا تھا، تاہم بعض کنسائنمنٹس میں مبینہ طور پر غلط تفصیلات ظاہر کر کے کسٹمز ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس سے استثنیٰ حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ پاکستان کسٹمز کے فیلڈ فارمیشنز متعلقہ کنسائنمنٹس کی کڑی جانچ پڑتال کر رہے ہیں تاکہ درآمد شدہ کپڑے کی درست نوعیت اور تفصیل کا تعین کیا جا سکے۔ ضرورت پڑنے پر مال کی جسمانی جانچ کے ساتھ ساتھ نمونوں کے لیبارٹری ٹیسٹ بھی کرائے جا رہے ہیں تاکہ اشیاء کی حقیقی ساخت اور درست تفصیل کا تعین کیا جا سکے اور قابل اطلاق قوانین و ضوابط کی کسی بھی خلاف ورزی کی نشاندہی ہو سکے۔ اپٹما نے ان اقدامات کو سراہتے ہوئے کہا کہ درآمد شدہ کپڑے کی غلط ڈیکلریشن سے حکومت کو جائز محصولات کی مد میں نقصان پہنچ سکتا ہے اور قانون کی پابندی کرنے والے مقامی مینوفیکچررز کے لیے مسابقتی طور پر غیر منصفانہ صورتحال پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسوسی ایشن نے کنسائنمنٹس کی جانچ پڑتال اور اسکیم کے غلط استعمال کے خلاف کارروائی میں کسٹمز فیلڈ فارمیشنز کے کردار کو بھی تسلیم کیا اور اس امر پر زور دیا کہ برآمدی سہولت اسکیم کے مقررہ مقاصد کے مطابق استعمال کو یقینی بنانے کے لیے مسلسل نگرانی جاری رکھی جائے۔ پاکستان کسٹمز اس امر کا اعادہ کرتا ہے کہ تجارتی سہولت کاری اور موثر انفورسمنٹ ایک دوسرے کے معاون ترجیحات ہیں۔ سہولت کاری کے اقدامات کا مقصد جائز اور قوانین کی پابندی کرنے والی تجارت کو فروغ دینا ہے، جبکہ استثنیٰ، رعایتوں یا ریگولیٹری طریقہ کار کے غلط استعمال سے نظام کی شفافیت اور ساکھ متاثر ہوتی ہے، جس کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی ضروری ہے۔ پاکستان کسٹمز غلط ڈیکلریشن اور دیگر اقسام کے غلط استعمال کے خلاف کنٹرولز کو مزید موثر بناتا رہے گا، حکومت کے جائز محصولات کا تحفظ، قوانین کی پابندی کرنے والے کاروباری اداروں کے مفادات کا تحفظ اور اس امر کو یقینی بنائے گا کہ سہولت کاری کی اسکیمیں شفاف انداز میں اور اپنے مقررہ مقاصد کے مطابق نافذ ہوں۔ پاکستان کسٹمز جائز تجارت کو سہولت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی معاشی سرحدوں کے تحفظ کے لیے پرعزم ہے۔

بقیہ 22

آغاز سے اب تک 79 فلسطینی اسرائیلی فورسز یا آبادکاروں کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں، جن میں 19 بچے شامل ہیں۔ تقریباً 1,870 فلسطینی زخمی بھی ہوئے ہیں۔ 21 اگست کو الخلیل کے قریب آبادکاروں کے حملے میں ایک فلسطینی لڑکا ہلاک اور دوسرا شدید زخمی ہوا۔ جنین، نابلس اور الخلیل میں اسرائیلی فوجی کارروائیوں کے دوران بھی فلسطینی ہلاکتیں ہوئیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق 11 سے 24 اگست کے دوران 100 سے زائد فلسطینی زخمی ہوئے، جن میں 11 بچے شامل تھے؛ زخمیوں کی بڑی تعداد آبادکاروں کے حملوں میں ہوئی۔ یونیسیف نے بھی مغربی کنارے میں بچوں کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد، گرفتاریوں، بے دخلی اور اسکولوں و گھروں پر حملوں پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔

بقیہ 23

کے حامیوں کو ایک ایسے ماحول کی ضرورت ہے جس میں غم اور بے چینی پیدا ہو، تاکہ خوف و ہراس پھیلے، بڑے پیمانے پر احتجاج شروع ہوں، اور ایسا بحران پیدا ہو جو حکومت کی تبدیلی اور بانی کی واپسی کا باعث بن سکے۔ خواجہ آصف نے کہا کہ پی ٹی آئی کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے، صورتحال کو سنبھالنے کی کوشش اب بھی غیر ملکی میڈیا کے ذریعے جاری ہیں۔ وفاقی وزیر نے سوال اٹھایا کہ کیا اس بات پر اصرار کیا جا رہا ہے کہ بانی پی ٹی آئی کی صحت تیزی سے خراب ہو رہی ہے؟ یہ ایک ایسا من گھڑت دعویٰ جس کی انہیں شدید ضرورت ہے۔

بقیہ 24

گفتگو کرتے ہوئے سردار زادہ فیصل خان جمالی نے کہا کہ حلقے کے عوام کو درپیش بنیادی مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں اور ان کے مستقل حل کے لیے مرحلہ وار عملی اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ سڑکوں، نکاسی آب، پینے کے صاف پانی، بجلی، تعلیم، صحت اور دیگر بنیادی سہولیات سے متعلق منصوبوں کو ترجیحی بنیادوں پر آگے بڑھایا جا رہا ہے تاکہ شہری اور دیہی علاقوں کے عوام کو یکساں طور پر بہتر سہولیات میسر آ سکیں۔ انہوں نے کہا کہ ترقی صرف بڑے شہروں تک محدود نہیں ہونی چاہیے بلکہ دور دراز اور پسماندہ علاقوں کے عوام بھی ترقی کے ثمرات کے برابر مستحق ہیں، حکومت بلوچستان دستیاب وسائل کو عوامی ضرورت کے مطابق بروئے کار لاتے ہوئے ایسے منصوبوں پر توجہ دے رہی ہے، جن سے عام آدمی کی روزمرہ زندگی میں حقیقی اور دیرپا بہتری پیدا ہو۔ صوبائی وزیر نے کہا کہ حلقے میں جاری ترقیاتی منصوبوں کی نگرانی پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے تاکہ تعمیراتی کاموں میں معیار، شفافیت اور پائیداری کو یقینی بنایا جا سکے متعلقہ محکموں کو واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ عوامی مفاد کے منصوبوں میں ناقص میٹریل یا غیر معیاری تعمیر کسی صورت برداشت نہیں کی جائے گی اور ترقیاتی منصوبوں کو کاغذی کارروائی تک محدود رکھنے کے بجائے عملی طور پر مکمل کر کے عوام کے حوالے کیا جائے۔ سردار زادہ فیصل خان جمالی کا کہنا تھا کہ کئی اہم منصوبے تیزی سے تکمیل کی جانب بڑھ رہے ہیں، جن کی تکمیل سے علاقے میں مواصلاتی نظام بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ روزگار، کاروبار اور دیگر معاشی سرگرمیوں کو بھی فروغ ملے گا۔ ترقیاتی عمل کا مقصد صرف سڑکیں اور عمارتیں تعمیر کرنا نہیں بلکہ عوام کے لیے بہتر ماحول، آسان سفری سہولیات اور زندگی کے بنیادی معیار کو بلند کرنا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی سیاست کا بنیادی فلسفہ عوام کی خدمت، محروم طبقات کی آواز بننا اور پسماندہ علاقوں کو ترقی کے دھارے میں شامل کرنا ہے، حلقہ انتخاب کے عوام کے مسائل کو ذاتی مسئلہ سمجھتے ہوئے ان کے حل کے لیے ہر ممکن فورم پر آواز اٹھائی جائے گی اور دستیاب وسائل سے زیادہ سے زیادہ عوامی منصوبے شروع کیے جائیں گے۔ صوبائی وزیر لائیو اسٹاک نے کہا کہ علاقے کے عوام کو یقین دلاتا ہوں کہ ترقیاتی عمل کسی مخصوص علاقے یا طبقے تک محدود نہیں رکھا جائے گا بلکہ ضرورت اور ترجیح کے مطابق تمام علاقوں میں یکساں بنیادوں پر منصوبے شروع کیے جائیں گے۔ عوامی نمائندگی کا اصل مقصد عوام کے درمیان رہ کر ان کے مسائل سننا اور ان کے حل کے لیے عملی کردار ادا کرنا ہے۔ سردار زادہ فیصل خان جمالی نے اس عزم کا اظہار کیا کہ حلقے میں جاری ترقیاتی سرگرمیوں کا تسلسل برقرار رکھا جائے گا اور مستقبل میں بھی عوامی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے منصوبے شامل کیے جائیں گے۔ حکومت بلوچستان اور منتخب نمائندگان کی مشترکہ کوششوں سے علاقے میں بنیادی سہولیات کے فقدان کو کم، پسماندگی کا خاتمہ اور عوام کو بہتر معیار زندگی فراہم کرنے کے لیے موثر اقدامات جاری رکھے جائیں گے۔

بقیہ 25

2026 تک ضلع ژوب میں محکمہ لائیو اسٹاک ژوب نے ایف اے او کے تعاون اور EU/LS کی معاونت سے مختلف یونین کونسلز، جن میں مینا بازار، سبکزئی، والا اکرام، میر علی خیل، لکابند، بابر اور ہرامزئی وغیرہ شامل ہیں، میں موبائل ویٹرنری کیمپس کے قیام کے لیے ویکسین فراہم کیں۔ ان موبائل ویٹرنری کیمپس کے ذریعے ہزاروں جانوروں کو مختلف بیماریوں سے بچاؤ کے لیے ویکسین لگائی گئی۔ محکمہ لائیو سٹاک کی جانب سے جلد ہی ضلع کی باقی ماندہ یونین کونسلز میں بھی موبائل ویٹرنری کیمپس کا انعقاد کیا جائے گا۔ اس اقدام کا مقصد مویشیوں کی پیداوار میں اضافہ، جانوروں کو بیماریوں سے محفوظ رکھنا اور کسانوں کی آمدنی میں بہتری لانا ہے۔ محکمہ لائیو سٹاک نے تمام مالداروں اور کسانوں سے اپیل کی ہے کہ کسی بھی بیماری کے پھیلاؤ یا وبائی صورتحال کی صورت میں متعلقہ ویٹرنری عملے کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہیں تاکہ بروقت اقدامات کیے جا سکیں۔

بقیہ 26

ایکشن کمیٹی کاسی بحریہ ٹاؤن 2020ء میں معرض وجود میں آئی جب اسکیم کے مالکان نے الاٹیز جنہوں نے 60 سے 80 فیصد نقد اور قسطوں میں کی تھیں انہیں فوری انتقال اور قبضہ دینا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا گزشتہ 12 سال سے 4 ہزار الاٹیز شدید ذہنی کوفت، اذیت اور پریشانی میں مبتلا ہے لیکن حکام بالا کی جانب سے اس حوالے سے خاموشی باعث تشویش ہے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان ہائیکورٹ کے فیصلے میں بھی کاسی بحریہ ٹاؤن اسکیم اور ڈی ایچ اے حکام کو کہا گیا تھا کہ الاٹیز کی پریشانی اور تشویش ختم کریں لیکن کوئی کام نہیں ہوا اور اسکیم میں بنیادی سہولیات اور ترقیاتی کاموں کو شروع کیا جائے اور الاٹیز کو اپنے پلاٹوں پر گھر بنانے کا موقع دیا جائے الاٹیز کے مسائل التواء میں رکھنے کی بجائے عملی اقدامات کیے جائیں۔ مظاہرین اپنے مطالبات کے حق میں نعرہ بازی کرتے ہوئے پرامن طور پر منتشر ہو گئے۔

بقیہ 27

کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب میں دنیا کا سب سے بڑا پبلک سیکٹر کینسر ہسپتال بنا رہے ہیں، پنجاب آرٹیفیشل انٹیلی جنس قائم کرنے والا پہلا صوبہ بن چکا ہے، سرکاری سکولوں کے بچوں کو آرٹیفیشل انٹیلی جنس پڑھانے کا خیال بیجنگ کے طلبہ کو دیکھ کر آیا، آرٹیفیشل انٹیلی جنس سمیت آئی ٹی ٹیکنالوجی کے لئے چینی تعاون کا خیر مقدم کریں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ پنجاب نوجوان اور سکلڈ ورک فورس کے لحاظ سے چوتھا بڑا صوبہ ہے، پنجاب ڈیجیٹل اکانومی کے معاملے میں لیڈر کی حیثیت رکھتا ہے، پنجاب میں نہ صرف سرکاری افسر اور اہلکار بلکہ کابینہ ارکان کو بھی اے آئی ٹریننگ دی گئی ہے۔ ملاقات میں اوورسیز پاکستانیوں کے لئے سمال اور میڈیم انٹرپرائزز کے امور پر بھی گفتگو کی گئی۔

بقیہ 28

پر آڈٹ بھی نہیں ہوگا۔ بلال اظہر نے کہا کہ اسکیم میں شامل دکاندار ودہولڈنگ ایجنٹ بننے کے پابند نہیں ہوں گے، اس سلسلے میں ایف بی آر اور تاجر نمائندوں کے فوکل پرسنز مقرر کر دیے گئے ہیں اور ایف بی آر حکام ہر ماہ ایک ہفتہ کراچی میں موجود رہا کریں گے۔

بقیہ 29

بڑھتا جا رہا ہے، دہشت گردی کے واقعات میں تیزی آتی جا رہی ہے اور نوجوان نسل مایوس ہوتی جا رہی ہے، برین ڈرین بڑھ گیا ہے، جماعت اسلامی عوام میں شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہوتی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انکم ٹیکس صرف تنخواہ دار طبقے سے وصول کیا جا رہا ہے، ٹیکسوں کی بھرمار سے غریب آدمی پس رہا ہے، ہر شعبے میں کرپشن ہی نظر آ رہی ہے۔ امیر جماعت اسلامی کا کہنا تھا بدقسمتی سے پنجاب میں حقیقی کام کچھ نہیں ہے، نمائشی اقدامات زیادہ ہیں۔ حافظ نعیم نے کہا کہ پنجاب حکومت کو جماعت اسلامی کا دھرنا آنکھوں میں کھٹک رہا ہے، اس لئے لیاقت باغ کو تالے لگا دیئے گئے۔ کارکن تالے توڑ کر اندر جانے کو تیار ہیں تاہم انہیں روکا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی کے دھرنے پرامن ہیں، ہم کسی کا سر نہیں پھاڑتے، آگ نہیں لگاتے اور نہ ہی گملے توڑتے ہیں۔ آج تک کہیں ایک گملا بھی نہیں ٹوٹا۔ حکومت اگر طاقت کے ذریعے دھرنے ختم کرنا چاہتی ہے تو زور بازو آزما کر دیکھ لے، یہ طریقے ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ جماعت اسلامی اپنے مطالبات کی منظوری تک احتجاج جاری رکھے گی۔ حافظ نعیم الرحمٰن نے کہا کہ حکومت سمجھتی ہے کہ جماعت اسلامی کو تھکا کر کارکنوں کو گھروں کو بھیج دے گی، لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ کراچی، حیدرآباد، لاہور، کوئٹہ اور پشاور میں دھرنے جاری ہیں اور یہ احتجاج عوامی تحریک میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے ابتدا میں مذاکرات کے لئے رابطہ کیا تھا، جماعت اسلامی نے بھی مذاکرات سے انکار نہیں کیا۔ ہمیں مذاکرات کی جلدی نہیں، اگر حکومت عوام کے مسائل حل کرنا چاہتی ہے تو آ کر بات کرے۔ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام پر تنقید کرتے ہوئے حافظ نعیم الرحمٰن نے کہا کہ اس پروگرام میں کرپشن ہے اور یہ قوم کو بھکاری بنانے کا پروگرام بن گیا ہے۔ لوگوں کو تعلیم اور ہنر دینے کے بجائے ہر تین ماہ بعد رقم دینے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ انہوں نے حکومتی اخراجات اور لاکھوں لیٹر پیٹرول کے استعمال کو بھی ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔

بقیہ 30

خصوصی توجہ دی جا رہی ہے، جبکہ جاری ترقیاتی منصوبوں کی بروقت اور معیاری تکمیل کو ہر صورت یقینی بنایا جائے گا۔ یہ بات انہوں نے مختلف وفود سے بات چیت کرتے ہوئے کہی۔ میر سلیم کھوسہ نے کہا کہ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے، جہاں آبادی دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ایسے حالات میں جدید اور محفوظ سڑکوں کا جال نہ صرف عوام کی سفری مشکلات میں کمی لاتا ہے بلکہ تعلیم، صحت، تجارت، زراعت اور دیگر شعبوں کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بہتر سڑکیں اور مواصلاتی نظام صوبے کی معاشی ترقی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے کہا کہ حکومت بلوچستان کی جانب سے صوبے میں ترقیاتی عمل کو مزید تیز کیا جا رہا ہے اور محکمہ مواصلات و تعمیرات کی ذمہ داری ہے کہ عوام کے بنیادی مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرتے ہوئے منصوبوں کی تکمیل کو یقینی بنایا جائے۔ ترقیاتی منصوبوں میں تاخیر، ناقص معیار اور عوامی مفادات کے خلاف کسی بھی قسم کی غفلت برداشت نہیں کی جائے گی صوبائی وزیر نے کہا کہ صوبے کے مختلف علاقوں میں رابطہ سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کے منصوبوں سے عوام کو براہ راست فائدہ پہنچے گا۔ خاص طور پر دیہی اور پسماندہ علاقوں کو مرکزی شاہراہوں سے منسلک کرنا حکومت کی اہم ترجیحات میں شامل ہے تاکہ وہاں کے شہریوں کو تعلیم، علاج اور روزگار کے بہتر مواقع میسر آ سکیں۔ میر سلیم کھوسہ نے کہا کہ بلوچستان میں ترقیاتی منصوبوں کے لیے مختص فنڈز عوام کی امانت ہیں، اس لیے ان کا شفاف اور موثر استعمال ہر صورت یقینی بنایا جائے گا۔ منصوبوں میں معیار اور شفافیت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا اور متعلقہ حکام کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ فیلڈ میں جا کر جاری منصوبوں کی نگرانی کریں تاکہ کام مقررہ معیار اور مقررہ مدت کے اندر مکمل ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کا مقصد صرف سڑکوں کی تعمیر نہیں بلکہ ایک ایسا مربوط اور جدید مواصلاتی نظام تشکیل دینا ہے، جس سے صوبے کے ہر ضلع اور دور دراز علاقے کو فائدہ پہنچے۔ اچھی سڑکیں عوام کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا کرتی ہیں اور مقامی معیشت کو مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ تجارت اور کاروباری سرگرمیوں میں بھی اضافہ کرتی ہیں۔ صوبائی وزیر مواصلات و تعمیرات نے کہا کہ ان کے دفتر کے دروازے عوام اور حلقہ انتخاب کے لوگوں کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔ عوامی مسائل کے حل کے لیے عوام سے براہ راست رابطہ اور مشاورت کو انتہائی اہم سمجھتا ہوں۔ لوگوں کو مایوس نہیں کیا جائے گا اور جہاں بھی عوامی مسائل سامنے آئیں گے، انہیں اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے حل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ میر سلیم کھوسہ نے کہا کہ منتخب نمائندوں کا اصل فرض عوام کی خدمت ہے اور وہ اپنے عہدے کو عوام کی خدمت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ترقیاتی کاموں کے ثمرات عام آدمی تک پہنچنے چاہئیں۔ کسی بھی علاقے کو ترقی کے عمل سے محروم نہیں رکھا جائے گا اور دستیاب وسائل کو عوامی ضروریات کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ حلقہ انتخاب میں ترقیاتی کاموں کی رفتار مزید تیز کی جائے گی اور عوام کو درپیش بنیادی مسائل کے حل کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے جائیں گے۔ تعلیم، صحت، سڑکوں، پانی اور دیگر بنیادی ضروریات کے مسائل کے حل کے لیے متعلقہ محکموں کے ساتھ رابطے کو مزید موثر بنایا جا رہا ہے۔ میر سلیم کھوسہ نے کہا کہ بلوچستان کے نوجوان صوبے کا روشن مستقبل ہیں اور ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل سے روزگار کے نئے مواقع بھی پیدا ہوں گے۔ بہتر انفراسٹرکچر سے سرمایہ کاری اور تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگا، جس کا براہ راست فائدہ نوجوانوں اور مقامی آبادی کو پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان قدرتی وسائل اور جغرافیائی اہمیت کے لحاظ سے انتہائی اہم صوبہ ہے۔ اگر صوبے کے بنیادی ڈھانچے کو مضبوط بنایا جائے اور دور دراز علاقوں کو بہتر سڑکوں کے ذریعے آپس میں منسلک کیا جائے تو بلوچستان ملکی ترقی میں مزید موثر کردار ادا کر سکتا ہے۔ صوبائی وزیر نے کہا کہ ترقیاتی منصوبوں کی کامیابی صرف حکومت کی نہیں بلکہ عوام اور متعلقہ اداروں کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ حکومت، عوامی نمائندوں، ضلعی انتظامیہ اور متعلقہ حکام کے تعاون سے عوامی ضروریات کے مطابق ترقیاتی منصوبوں کو آگے بڑھا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عوام کے اعتماد پر پورا اترنا ہماری ذمہ داری ہے۔ عوام نے جس امید اور اعتماد کے ساتھ اپنے نمائندوں کو منتخب کیا ہے، اس اعتماد کو عملی کام کے ذریعے مضبوط بنایا جائے گا۔ وعدوں کے بجائے عملی اقدامات پر یقین رکھتے ہیں اور ترقیاتی منصوبوں کی بروقت تکمیل کے لیے تمام متعلقہ اداروں کو اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دینا ہوں گی۔ میر سلیم کھوسہ نے کہا کہ صوبائی حکومت کی کوشش ہے کہ بلوچستان کے عوام کو ترقی کے یکساں مواقع میسر آئیں اور صوبے کے تمام علاقوں کو ترقیاتی عمل میں شامل کیا جائے۔ شہری علاقوں کے ساتھ ساتھ دیہی اور پسماندہ علاقوں کی ترقی پر بھی خصوصی توجہ دی جا رہی ہے تاکہ ترقی کا سفر ہر علاقے اور ہر فرد تک پہنچ سکے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان کے عوام محب وطن، باصلاحیت اور باعزم ہیں۔ ان کے مسائل کے حل اور بہتر مستقبل کے لیے حکومت کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا ہوں گی۔ محکمہ مواصلات و تعمیرات صوبے میں بنیادی ڈھانچے کی بہتری کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لا رہا ہے۔ صوبائی وزیر نے کہا کہ حکومت بلوچستان کی پالیسی عوامی خدمت، شفافیت، ترقی اور مساوی مواقع کی فراہمی پر مبنی ہے۔ جاری منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ نئی ترقیاتی اسکیموں کی منصوبہ بندی بھی عوامی ضروریات اور مستقبل کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر کی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ترقی کا سفر کسی ایک فرد، علاقے یا ضلع تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ پورا بلوچستان اس ترقی کے ثمرات سے مستفید ہونا چاہیے۔ حکومت اور متعلقہ محکمے اسی وژن کے تحت کام کر رہے ہیں کہ صوبے کے ہر علاقے میں ترقیاتی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے۔ میر سلیم کھوسہ نے مزید کہا کہ وہ عوام سے کیے گئے وعدوں کی تکمیل کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری دیانتداری اور محنت سے ادا کرتے رہیں گے۔ عوام کے مسائل ان کے اپنے مسائل ہیں اور جہاں بھی ضرورت پڑی، عوامی مفاد کے لیے ہر ممکن اقدام کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ آنے والے دنوں میں صوبے میں ترقیاتی کاموں کی رفتار مزید تیز ہوگی اور سڑکوں، پلوں اور بنیادی ڈھانچے سے متعلق منصوبوں پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ ان منصوبوں کی تکمیل سے عوام کو سفری سہولیات میسر آئیں گی، دور دراز علاقے بہتر طور پر آپس میں منسلک ہوں گے اور صوبے کی معاشی و سماجی ترقی کا عمل مزید مضبوط ہوگا۔ صوبائی وزیر مواصلات و تعمیرات بلوچستان میر سلیم کھوسہ نے اس عزم کا اظہار کیا کہ عوام کو ہرگز مایوس نہیں کیا جائے گا۔ ترقیاتی کاموں میں بہتری، عوامی مسائل کے فوری حل اور بہتر انفراسٹرکچر کی فراہمی کے لیے تمام دستیاب وسائل بروئے کار لائے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے دروازے عوام کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں اور عوامی خدمت کا سفر پوری ذمہ داری، خلوص اور عزم کے ساتھ جاری رہے گا۔

بقیہ 31

پشاور میں مبینہ پولیس مقابلے میں چار ڈاکو ہلاک کر دیئے گئے۔ مرنے والے ڈاکو تین صوبوں اور اسلام آباد پولیس کو مطلوب تھے۔ رپورٹ کے مطابق پشاور میں یکہ توت کے مقام پر پولیس مقابلے میں چار ڈاکو مارے گئے جب کہ ان کے دو ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ سی سی پی او کا کہنا ہے کہ مارا جانے والا ڈکیت گینگ تین صوبوں خیبرپختونخوا، پنجاب اور سندھ کے ساتھ اسلام آباد پولیس کو مطلوب تھا۔ ہلاک ہونے والے ملزمان میں وقار عرف میجر گینگ کا سرغنہ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ ساحل عرف سعود، اعجاز پہلوان اور حفیظ بھی مارے گئے جب کہ مفرور دو ملزمان کی تلاش شروع کر دی گئی ہے۔ سی سی پی او نے بتایا کہ گروپ سرغنہ وقار عرف میجر گینگ گزشتہ تقریباً 15 سال سے منظم جرائم میں سرگرم تھا۔ گینگ میں افغانستان کے رہائشی گران ولی اور علی عرف [illegible] بھی شامل تھے۔ ملزمان مختلف سنگین مقدمات میں ایک درجن سے زائد مرتبہ گرفتار ہو چکے تھے اور عدالتوں سے ضمانتوں پر رہا ہوتے رہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ وقار عرف میجر گینگ پشاور سے کراچی تک پھیلا ایک منظم نیٹ ورک تھا۔ گینگ سکیورٹی فورسز سے مشابہہ لباس، واکی ٹاکی، وائرلیس اور جدید اسلحہ استعمال کرتا تھا۔ ملزمان وائی فائی جیمرز اور دیگر جدید مواصلاتی آلات بھی استعمال کرتے تھے۔ ملزمان خفیہ اداروں کے اہلکار بن کر تلاشی کے بہانے گھروں میں داخل ہوتے تھے اور وہاں سے نقدی، سونا اور دیگر قیمتی سامان لوٹ کر فرار ہو جاتے تھے۔ سی سی پی او میاں سعید کے مطابق مذکورہ ڈکیت گینگ نے حیات آباد میں تقریباً 80 لاکھ روپے کی ڈکیتی کی تھی۔ اس کے علاوہ ڈی ایچ اے کراچی میں تقریباً 8 کروڑ روپے کی ڈکیتی، راجا بازار راولپنڈی میں تقریباً 10 کروڑ روپے کی ڈکیتی اور لاہور میں ڈکیتیوں کی متعدد وارداتوں میں ملوث تھا۔ ملزمان ورگی ملاکنڈ میں گاڑی چھیننے کی واردات میں بھی پولیس کو مطلوب تھے۔ جھنگ میں ایم پی اے خالد سرگانہ کے گھر مبینہ ڈکیتی میں بھی یہی گینگ ملوث تھا۔ فیصل آباد میں ایک غیر ملکی شہری کے گھر مبینہ ڈکیتی ماری اور سندھ میں رکن صوبائی اسمبلی کے گھر سے 167 تولے سونا لوٹنے میں بھی یہی گینگ ملوث تھا۔

بقیہ 32

(وزیراعلیٰ پنجاب نے دورہ چین کے دوران چین کی معروف کمپنی کے اعلیٰ سطح وفد سے ملاقات کی جس میں چین کی معروف کمپنی نے پنجاب کے آئی ٹی سیکٹر میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ ملاقات میں زراعت، ہیلتھ کیئر، سوشو اکنامک پروگرام اور کلائمیٹ فور کاسٹ میں آرٹیفیشل انٹیلی جنس کے استعمال پر بات چیت ہوئی، پبلک سروسز کے لئے آرٹیفیشل انٹیلی جنس سٹرٹیجک پارٹنر شپ پر بھی غور کیا گیا۔ وزیراعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف کا کہنا تھا کہ پنجاب میں گورننس کے نظام کو آرٹیفیشل انٹیلی جنس (اے آئی) سے مربوط کیا جا رہا ہے، کل کی بجائے آج ہی آرٹیفیشل انٹیلی جنس اور دیگر ٹیکنالوجی کے استعمال کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب میں دنیا کا سب سے بڑا پبلک سیکٹر کینسر ہسپتال بنا رہے ہیں، پنجاب آرٹیفیشل انٹیلی جنس قائم کرنے والا پہلا صوبہ بن چکا ہے، سرکاری سکولوں کے بچوں کو آرٹیفیشل انٹیلی جنس پڑھانے کا خیال بیجنگ کے طلبہ کو دیکھ کر آیا، آرٹیفیشل انٹیلی جنس سمیت آئی ٹی ٹیکنالوجی کے لئے چینی تعاون کا خیر مقدم کریں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ پنجاب نوجوان اور سکلڈ ورک فورس کے لحاظ سے چوتھا بڑا صوبہ ہے، پنجاب ڈیجیٹل اکانومی کے معاملے میں لیڈر کی حیثیت رکھتا ہے، پنجاب میں نہ صرف سرکاری افسر اور اہلکار بلکہ کابینہ ارکان کو بھی اے آئی ٹریننگ دی گئی ہے۔ ملاقات میں اوورسیز پاکستانیوں کے لئے سمال اور میڈیم انٹرپرائزز کے امور پر بھی گفتگو کی گئی۔

بقیہ 33

کاسی بحریہ ٹاؤن ایکشن الاٹیز کے سرپرست اعلیٰ ندیم ترین، عارف علی، انور درانی نے وزیراعلیٰ میر سرفراز بگٹی، گورنر بلوچستان شیخ جعفر خان مندوخیل، کمانڈر 12 کور لیفٹیننٹ جنرل راحت نسیم خان اور سینئر ایم بی آر قمر دشتی، ڈپٹی کمشنر کوئٹہ مہر اللہ بادینی سے مطالبہ کیا ہے کہ عدالت عالیہ کے احکامات پر عملدرآمد کرتے ہوئے الاٹیز کو فوری طور پر انتقالات اور قبضہ دیکر ان میں پائی جانے والی تشویش دور کی جائے۔ یہ بات انہوں نے اتوار کو کاسی بحریہ ٹاؤن اسکیم میں احتجاجی مظاہرے کے شرکاء سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ مظاہرین نے بینرز اور پلے کارڈز اٹھا رکھے تھے جن پر نعرے درج تھے انہوں نے کہا کہ الاٹیز ایکشن کمیٹی کاسی بحریہ ٹاؤن 2020ء میں معرض وجود میں آئی جب اسکیم کے مالکان نے الاٹیز جنہوں نے 60 سے 80 فیصد نقد اور قسطوں میں کی تھیں انہیں فوری انتقال اور قبضہ دینا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا گزشتہ 12 سال سے 4 ہزار الاٹیز شدید ذہنی کوفت، اذیت اور پریشانی میں مبتلا ہے لیکن حکام بالا کی جانب سے اس حوالے سے خاموشی باعث تشویش ہے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان ہائیکورٹ کے فیصلے میں بھی کاسی بحریہ ٹاؤن اسکیم اور ڈی ایچ اے حکام کو کہا گیا تھا کہ الاٹیز کی پریشانی اور تشویش ختم کریں لیکن کوئی کام نہیں ہوا اور اسکیم میں بنیادی سہولیات اور ترقیاتی کاموں کو شروع کیا جائے اور الاٹیز کو اپنے پلاٹوں پر گھر بنانے کا موقع دیا جائے الاٹیز کے مسائل التواء میں رکھنے کی بجائے عملی اقدامات کئے جائیں۔ مظاہرین اپنے مطالبات کے حق میں نعرہ بازی کرتے ہوئے پرامن طور پر منتشر ہو گئے۔

بقیہ 34

پاکستان تحریک انصاف کے مرکزی رہنما و چیف آف رند قبائل سردار شیر محمد رند نے پمز ہسپتال اسلام آباد میں انتظامیہ کی مبینہ غفلت اور لاپرواہی کے باعث 14 نومولود بچوں کی ہلاکت پر شدید غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے واقعہ کی پرزور مذمت کرتے ہوئے سردار شیر محمد رند نے متاثرہ والدین سے دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کیا اور کہا کہ اس عظیم صدمے کی گھڑی میں ہم غمزدہ خاندانوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں یہ معصوم بچے نہ صرف اپنے والدین کا سہارا بلکہ ملک کے روشن مستقبل کی امید تھے انہوں نے موجودہ وفاقی حکومت پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ فارم 47 کے ذریعے قائم ہونے والی حکومت میں عوامی مسائل حل کرنے کی صلاحیت بالکل نہیں ہے۔ حکومت کے پاس عوام کو صحت کی بنیادی سہولیات فراہم کرنے کی کوئی حکمت عملی نہیں ہے اور اس کی تمام تر توانائیاں صرف بانی پی ٹی آئی کے خلاف انتقامی کارروائیوں پر صرف ہو رہی ہیں سردار شیر محمد رند نے پرزور مطالبہ کیا کہ پمز ہسپتال واقعے کی شفاف تحقیقات کے لیے فوری طور پر اعلیٰ سطحی انکوائری کمیشن تشکیل دیا جائے اور ذمہ دار نااہل افسران و عملے کے خلاف سخت قانونی و تادیبی کارروائی کر کے متاثرہ خاندانوں کو انصاف فراہم کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان تحریک انصاف عوام کے حقوق کے تحفظ اور ان پر ہونے والی ہر زیادتی کے خلاف اپنی سیاسی جدوجہد اور آواز بلند کرتی رہے گی۔

بقیہ 35

پشتونخوا ملی عوامی پارٹی کے چیئرمین و تحریک تحفظ آئین پاکستان کے سربراہ اور قائد حزب اختلاف قومی اسمبلی محترم محمود خان اچکزئی نے کہا ہے کہ ریاست کو پشتونوں کی آواز اور ان کے بنیادی، آئینی، سیاسی، معاشی اور قومی حقوق کا مطالبہ سننا ہوگا، ہمیں اس امر پر مجبور نہ کیا جائے کہ ہم اپنا مقدمہ بین الاقوامی فورمز پر لے جائیں۔ بندوق کے زور پر ریاستی نظام چلایا جا سکتا ہے، نہ عوام کے ذہنوں، ان کے سیاسی شعور، آئینی حقوق اور وسائل پر مستقل قبضہ کیا جا سکتا۔ انہوں نے یہ بات جنوبی پشتونخوا کے تین روزہ عوامی جرگے سے اپنے افتتاحی خطاب میں کہی۔ جو نواب ایاز خان جوگیزئی کی صدارت میں کوئٹہ گرینڈ کیا بش ہیکوٹ ہال میں منعقد ہوا۔ محمود خان اچکزئی نے کہا کہ پشتون آج اپنی تاریخ کے ایک غیر معمولی دور سے گزر رہے ہیں۔ سیاسی بے یقینی، معاشی بدحالی، امن و امان کی سنگین صورتحال اور اپنے وسائل و اختیارات سے محرومی نے پشتون معاشرے کو شدید متاثر کیا ہے۔ ان حالات میں جنوبی پشتونخوا کے عوامی جرگے کا انعقاد اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ جرگہ محض سیاسی جماعتوں کا فورم نہیں بلکہ عوامی رائے، اجتماعی دانش اور ہر مکتب فکر کے صاحب رائے افراد کو براہ راست اپنی بات رکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پشتونوں کی صدیوں پرانی روایت ہے کہ جب انہیں غیر معمولی حالات اور اجتماعی مسائل کا سامنا ہوا تو انہوں نے جرگے منعقد کیے اور اجتماعی مشاورت کے ذریعے اپنے مسائل کے حل کی راہیں تلاش کیں۔ آج بھی ہمیں اسی اجتماعی دانش، سیاسی شعور اور باہمی مشاورت کی ضرورت ہے۔ قائد حزب اختلاف محمود خان اچکزئی نے کہا کہ پاکستان کو وجود میں آئے 79 برس گزر چکے ہیں، جبکہ پشتون بحیثیت قوم اپنی موجودہ سرزمین پر ہزاروں سال سے آباد ہیں۔ آج درپیش سیاسی، معاشی اور امن و امان کی بدحالی کو کسی قوم کی قسمت یا تقدیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ یہ مسائل انسان کے تشکیل کردہ سیاسی، معاشی اور انتظامی نظام کا نتیجہ ہیں اور انہیں انسان ہی اپنی سیاسی جدوجہد، دانش اور بہتر نظام کے ذریعے تبدیل کر سکتا ہے۔